قادیانی اور اُن کے سہولت کاروں کے عبرتناک انجام

قادیانیوں کی ذلت و رسوائی پر مبنی نہایت بھیانک خاتمے کی چشم کشا داستان اور قادیانی نوازوں کے ہوشربا المناک انجام

محمد متین خالد

قادیانی اور اُن کے سہولت کاروں کے عِبرتناک انجام

قادیانیوں کی ذلت و رسوائی پر مبنی نہایت بھیانک خاتمے کی چشم کشا داستان اور قادیانی نوازوں کے ہوشربا المناک انجام

محمد متین خالد

دفاعِ ختم نبوت کونسل خط و کتابت کورس، پی او باکس نمبر 81 جی۔پی۔او، دی مال لاہور پاکستان

زیر سرپرستی

جسٹس (ر) میاں نذیر اختر (دو مواقع پر بطور قائم مقام چیف جسٹس فرائض سرانجام دیے) (سابق ممبر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی (پاکستان ایڈمنسٹریٹو سروس، پی ایچ ڈی (فقہ) سابق کمشنر سیکرٹری (ریٹائرڈ)

Cell: 0333-4432090, 0331-4421965, 0322-4356986, 0321-3178878

www.difaekhatmenabowat.com

فہرست

- مرزا غلام احمد قادیانی 5
- حکیم نور الدین 8
- مرزا بشیر الدین محمود 10
- نصرت جہاں بیگم 13
- مرزا ناصر احمد 15
- مرزا طاہر احمد 16
- چوہدری ظفر اللہ خاں 18
- ڈاکٹر عبد السلام 19
- مبارکہ بیگم 20
- مرزا بشیر احمد ایم اے 21
- ایم ایم احمد 22
- مولوی عبد الکریم سیالکوٹی 23
- قاضی ظہور الدین اکمل 25
- مفتی محمد صادق 26
- امتہ الحفیظ بیگم 28
- محمد علی لاہوری 28
- دیکھو انہیں جو دیدہ عبرت نگاہ ہو 30

یقین کیجیے!

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو ایذا دینے والے کو مستحق لعنت قرار دیا گیا ہے اور دنیا و آخرت میں ذلیل کرنے والے دردناک عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ایک بار ابولہب نے حضور اقدس ﷺ کی شان میں بکواس کرتے ہوئے کہا تھا 'تبالک آپ تباہ ہو جائیں (نعوذ باللہ)۔ اللہ تعالیٰ نے اس گستاخی کا بدلہ اور انتقام لیتے ہوئے خود فرمایا: تبت یدا ابی لهب و تب: اور یہ الفاظ قرآنی وحی کی صورت میں قرآن مجید میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیئے گئے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ، بدنام زمانہ گستاخِ رسول ولید بن مغیرہ کے 9 بڑے عیب گنوانے کے بعد ایک بڑی حقیقت کا پردہ چاک کرتے ہوئے اسے ''زنیم'' یعنی ''حرام زادہ'' قرار دیتے ہیں۔(سورۃ القلم 10 تا 13)

موجود دور میں فتنہ قادیانیت، گستاخان رسول کا وہ خبیث اور بدبخت ٹولہ ہے جو یہود و ہنود کی سرپرستی میں اسلام کی بیخ کنی کرنے میں مصروف عمل ہے۔اس فتنہ کا بانی آنجہانی مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ وہ خود ''محمد رسول اللہ'' ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ قادیان میں نازل ہوا۔ (نعوذ باللہ)۔اس عقیدہ کی بنیاد پر ہر قادیانی جب کلمہ پڑھتا ہے یا اذان کہتا ہے تو ''محمد رسول اللہ'' سے مراد 'مرزا قادیانی' لیتا ہے۔اس عقیدہ کے علاوہ بھی مرزا قادیانی نے شان رسالت ﷺ میں بے حد توہین آمیز کلمات کہے اور اس کے پیروکار ''قادیانی'' بھی آئے روز اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔

قادیانی اپنے ہر مخالف کی موت پر نہ صرف خوشی کے شادیانے بجاتے ہیں بلکہ گوئبلز پروپیگنڈہ کے تحت خوب نمک مرچ لگا کر اس کی کردارکشی کرتے اور ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ چونکہ اس شخص نے ہمارے ''حضرت'' اور مشن کی مخالفت کی تھی، اس لیے اسے عبرتناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔یہ ایک گھٹیا سوچ ہے جو صرف قادیانیوں کا خاصا ہے۔اس سلسلہ میں سابق وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو آج تک قادیانیوں کے منفی پروپیگنڈے کا مسلسل نشانہ بنے ہوئے ہیں۔جناب بھٹو کے عہدِ حکومت میں ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے 7 ستمبر 1974ء کو متفقہ طور پر قادیانیوں کو ان کے کفریہ عقائد وعزائم کی بناء پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا تھا۔اور یوں ایک 90 سالہ دیرینہ مسئلہ کا کافی وشافی آئینی حل سامنے آیا۔اسی طرح جب کبھی قادیانی اخبارات و رسائل میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کا ذکر آتا ہے تو ہر چھوٹا بڑا

قادیانی ان کی المناک شہادت پر اپنے شیطانی طنز اور تضحیک کے تیر چلا کر خوش ہوتا ہے۔

ایک اہم بات جس کا تذکرہ کرنا بے حد ضروری ہے اور یہ ایک آفاقی صداقت بھی ہے کہ کسی بھی قادیانی کی موت سکون اور اطمینان کے عالم میں نہیں ہوتی بلکہ وہ انتہائی کرب، پریشانی اور اول فول بکتے ہوئے سوئے جہنم روانہ ہوتا ہے۔اس پر طرہ یہ کہ موت کے وقت خدائی لعنت کی وجہ سے ہر قادیانی کا چہرہ مسخ ہو جاتا ہے اور شکل اتنی ڈراؤنی، گھناؤنی اور بھیانک ہو جاتی ہے کہ دیکھنے والا وحشت محسوس کرتا ہے۔

اس پمفلٹ میں درج کئی واقعات اس قدر خوفناک ہیں کہ شائد آپ انہیں تسلیم کرنے میں تامل محسوس کریں یا یہ رائے قائم کریں کہ مصنف نے بعض جگہ پر اپنے تعصب، جھوٹ یا جانبداری کا مظاہرہ کیا ہے۔ آپ کا یہ سوچنا فطری امر ہے کیونکہ اس کتاب میں درج بعض انکشافات اس قدر ہوش ربا اور چشم کشا ہیں کہ انہیں پڑھتے ہوئے یقین ہی نہیں آتا۔لیکن کیا کیجیے! ان قادیانیوں کے جرائم اس قدر سنگین ہیں کہ وہ براہ راست خدائی عذاب کا مستوجب بنے۔حقیقت یہ ہے کہ ایسے تمام واقعات نہایت مستند ذرائع سے حاصل کئے گئے ہیں، اس لیے ان کی تاریخی حیثیت نہایت معتبر اور ثقہ ہے۔ میں نے ایک عرصہ تک انتہائی محنت اور احتیاط سے قادیانی کتب، اخبارات و رسائل، قادیانی و اینٹی قادیانی ویب سائٹس اور قادیانی ٹیلی ویژن چینل MTA سے براہ راست استفادہ حاصل کیا۔ اس کے علاوہ کئی اہم سابق قادیانیوں سے مختلف ملاقاتوں میں اس موضوع پر سیر حاصل معلومات حاصل کیں جو بے شمار چشم کشا واقعات کے عینی شاہد ہیں۔اس بناء پر زیر نظر پمفلٹ نہایت مستند، مبنی بر حقیقت اور اہم معلومات پر مشتمل ہے۔

اس کے باوجود اگر کسی قادیانی یا قادیانی نواز کو اس کتاب میں درج کردہ حقائق و واقعات سے کوئی اختلاف ہو تو وہ میرے خلاف طعن و تشنیع کے طومار باندھنے کے بجائے اخلاقی جرأت بروئے کار لاتے ہوئے دنیا بھر کی کسی بھی عدالت سے رجوع کر سکتا ہے۔ وہاں از خود دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔اگر کوئی اسلام کا متلاشی سنجیدہ قادیانی حقائق جاننے کے لیے اپنی کسی الجھن کو سلجھن بنانا چاہتا ہے تو میرے ای میل ایڈریس پر رابطہ کر سکتا ہے۔

محمد متین خالد

لاہور

mateenkh@gmail.com

مرزا غلام احمد قادیانی

جھوٹی نبوت کا دعویدار آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی بھارتی پنجاب کے ضلع گورداسپور کے ایک قصبے ''قادیان'' میں پیدا ہوا۔ یہ قصبہ امرتسر سے شمال مشرق کی طرف ریلوے لائن پر ایک قدیم شہر بٹالہ سے گیارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مرزا قادیانی کی تاریخ پیدائش کا تذکرہ کئی کتابوں سے ملتا ہے، لیکن اس کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مسلمانان عالم کا حضور نبی کریم ﷺ کے آخری نبی ہونے پر اجماع اور عقیدۂ جہاد 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد اسلام دشمن طاقتوں بالخصوص انگریزوں کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا اور ہے۔ ان کی شدید خواہش تھی اور ہے کہ کسی طرح کوئی ایسا اہتمام ہو جائے کہ مسلمانوں کے دل سے حضور نبی کریم ﷺ کی محبت و عقیدت اور جہاد کی روح دونوں ختم ہو جائیں، اب چونکہ ایک نبی کے حکم میں ترمیم و تنسیخ دوسرے نبی کے ذریعے ہی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ حکومت برطانیہ کی سرپرستی اور لالچ پر سیالکوٹ کی ضلع کچہری کے ایک منشی مرزا قادیانی نے اپنے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔ آنجہانی مرزا قادیانی نے پہلے خود کو عیسائیت اور ہندو مخالف مناظر کی حیثیت سے متعارف کروایا اور مسلمانوں کی جذباتی اور نفسیاتی ہمدردیاں حاصل کیں۔ پھر مجدد، محدث، امتی نبی، ظلی نبی، بروزی نبی، مثیل مسیح اور مسیح موعود کا دعویٰ کرتے ہوئے انجام کار باقاعدہ امرونہی کے حامل ایک صاحب شریعت نبی ہونے کے ادعا تک جا پہنچا۔ یعنی باقاعدہ نبی و رسول ہونے کا دعویٰ کیا حتیٰ کہ اعلان کیا کہ وہ خود ''محمد رسول اللہ'' ہے۔ (نعوذباللہ) پھر اس کے بیٹے مرزا بشیر احمد نے کہا کہ قادیان میں اللہ تعالیٰ نے مرزا قادیانی کی شکل میں دوبارہ ''محمد رسول اللہ ﷺ'' کو بھیجا۔ مزید کہا کہ مرزا قادیانی خود ''محمد رسول اللہ'' ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں آیا۔ اس لیے ہمیں کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اب کلمہ طیبہ میں ''محمد رسول اللہ'' سے مراد مرزا قادیانی ہے۔ یہ قادیانی عقیدہ مرزا قادیانی کے ایک خاص مرید قاضی ظہورالدین اکمل نے اپنی ایک نظم میں پیش کیا۔

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں　　اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شاں میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل　　غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

قاضی اکمل نے مندرجہ بالا نظم لکھ کر ایک قطعہ کی صورت میں مرزا قادیانی کو پیش کی۔

مرزا قادیانی نے اس نظم کو پڑھ کر بے حد خوشی کا اظہار کیا اور اسے اپنے ساتھ گھر لے گیا۔

قادیانی، آنجہانی مرزا قادیانی کو ''محمد رسول اللہ''، اس کی بیوی کو ''ام المومنین''، اس کی

بیٹی کو ’’سیدۃ النساء‘‘، اس کے خاندان کو ’’اہل بیت‘‘، اس کے دوستوں کو ’’صحابہ کرام‘‘، اس کی نام نہاد وحی و الہامات کو ’’قرآن مجید‘‘، اس کی گفتگو کو ’’احادیث رسول‘‘، اس کے ناپاک شہر قادیان کو ’’مکہ‘‘، ربوہ کو ’’مدینہ‘‘ اور اس کے مرگھٹ کو ’’جنت البقیع‘‘ قرار دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ سب باتیں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ بلکہ فاسق و فاجر مسلمان کے لیے بھی ناقابل برداشت ہیں اور اس کرۂ ارض پر کوئی بے حمیت مسلمان ایسا نہیں جو کسی بدبخت سے ایسی گستاخانہ باتیں سننا گوارا کرے۔

نہایت قابل غور بات یہ ہے کہ 1993ء میں قادیانی جماعت نے سپریم کورٹ آف پاکستان میں اپیل دائر کی اور اس میں موقف اختیار کیا کہ انھیں خود کو مسلمان کہلوانے، اپنے مذہب کی تبلیغ و تشہیر کرنے، لٹریچر تقسیم کرنے اور سرعام جلسے وغیرہ منعقد کرنے کی اجازت دی جائے۔ دوران مقدمہ جب مسلمان وکلاء نے مرزا قادیانی، اس کے بیٹوں اور مریدوں کی کتب سے مذکورہ بالا گستاخانہ اور کفریہ عبارات پیش کیں تو فل بنچ کے جج صاحبان انھیں دیکھ کر سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے متفقہ طور پر اپنے فیصلے میں قادیانیوں کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں سے روکتے ہوئے لکھا کہ ہر قادیانی شعائر اسلامی کی توہین اور اپنے کفریہ عقائد کی بناء پر ’’سلمان رشدی‘‘ ہے۔

1857ء میں جنگ آزادی شروع ہوئی تو مرزا قادیانی کی قسمت بدل گئی۔ انگریز حکومت کو مسلمانوں کے خلاف مخبر اور غدار درکار تھے۔ اس سلسلہ میں مرزا قادیانی نے انہیں اپنی خدمات پیش کیں، اپنے خاندان کی پرانی خدمات کے نتیجے میں وہ انگریز حکومت کی سرپرستی میں آ گیا۔ انگریزوں نے اس پر اپنی نوازشات کی بارش کر دی۔ اسی دوران مرزا قادیانی نے انگریز کی حمایت میں کتابیں لکھنی شروع کیں۔ خود مرزا قادیانی کا اقبالی بیان ہے کہ اس نے 17 برس تک سرکار انگریز کی اطاعت اور ہمدردی کے لیے لوگوں کو ترغیب دی اور جہاد کی ممانعت کے بارے میں مؤثر تقریریں کیں۔ مرزا قادیانی کی ان خدمات کے نتیجہ میں انگریز حکومت نے مرزا قادیانی اور ان کے خاندان پر اپنی نوازشات اور مراعات کی انتہا کر دی۔ مرزا قادیانی کے دن پھر گئے۔ دولت اور وسائل کی ریل پیل ہوگئی۔ بعد ازاں اپنی عیاشیوں کے نتیجہ میں اس نے اپنی بیوی حرمت بی بی سے قطع تعلق کر لیا اور اسے میکے بٹھا دیا۔ 17 نومبر 1884ء کو اس کی دوسری شادی نصرت جہاں بیگم سے ہوئی۔

آنجہانی مرزا قادیانی پوری زندگی جسمانی اور دماغی بیماریوں کا شکار رہا۔ وہ بیمار نہیں بلکہ ’’بیماری‘‘ تھا۔ اسے لاحق چند پیچیدہ امراض کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:

1- بدہضمی (ریویو، مئی 1928ء)، 2- تشنج دل (ضمیمہ اربعین نمبر 3 نمبر 4 ص 4 خزائن ص 471 ج 17)، 3- تشنج اعصاب (سیرۃ المہدی ص 13 ج 1)، 4- جسمانی قویٰ مضمحل (آئینہ احمدیت ص 186 دوست محمد)، 5- دق (حیات احمد جلد دوم نمبر اوّل ص 79 یعقوب علی)، 6- سل

(سیرۃ المہدی ص42 ج1 بدر جون 1906ء)، 7- مراق (سیرۃ المہدی ص55 ج2 بدر جون 1906ء)، 8- ہسٹیریا (سیرۃ المہدی ص13 ج1 ص55 ج2)، 9- دماغی بے ہوشی (الحکم 21 مئی 34ء)، 10- غشی (سیرۃ المہدی ص13 ج1)، 11- سوسو بار پیشاب (ضمیمہ اربعین ص4 نمبر4)، 12- کثرت اسہال (نسیم دعوت ص68)، 13- دل و دماغ سخت کمزور (تریاق القلوب ص35)، 14- قولنج زحیری (تریاق القلوب ص334)، 15- مسلوب القویٰ (آئینہ احمدیت ص186)، 16- ذیابیطس (نزول المسیح ص209 حاشیہ)، 17- ریگنن (مکتوبات احمدیہ)، 18- دورانِ سر (نزول المسیح ص209 حاشیہ)، 19- شدید دردسر جس کا آخری نتیجہ مرگی (حقیقۃ الوحی ص363)، 20- حافظہ نہایت ابتر (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم ص3 و ص21)، 21- حالت مردمی کالعدم (تریاق القلوب ص35)، 22- سستی نامردی (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم ص14)

25 مئی 1908ء کو شام کھانے کے بعد اس کی حالت اچانک بگڑنے لگی۔ اسے مسلسل اسہال شروع ہو گئے۔ ایک دو دفعہ رفع حاجت کے لیے لیٹرین گیا، بعد ازاں ضعف کی وجہ سے نڈھال ہو گیا۔ اس کے جسم کا پانی اور نمک ختم ہو گیا تھا۔ بلڈ پریشر کم ہونے سے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ آنکھیں اندر کو دھنس گئیں اور نبض اتنی کمزور ہو گئی کہ محسوس کرنا مشکل ہو گئی۔ پھر دست آیا تو چارپائی سے بڑی مشکل سے اٹھا تو چارپائی پر گر گیا۔ ضعف اتنا تھا کہ وہ پشت کے بل چارپائی پر گر گیا اور اس کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرایا اور حالت دگرگوں ہو گئی۔ بعد ازاں ایک اور دست آیا تو بستر پر ہی نکل گیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے قے ہونا شروع ہو گئیں۔

مسلسل اسہال اور قے کی وجہ سے مرزا قادیانی کے جسم، بستر اور کھرے میں سخت بدبو اور تعفن پھیل گیا تھا۔ اس کی حالت دگرگوں ہو گئی اور نورالدین کو بلانے کے لیے کہا۔ حکیم نورالدین آیا تو مرزا قادیانی نے اسے کہا "مجھے اسہال کا دورہ ہو گیا ہے۔ آپ کوئی دوائی تجویز کریں۔" (ضمیمہ الحکم 28 مئی 1908ء)۔ حکیم نورالدین نے چند مقوی ادویات کھانے کو دیں مگر مرزا قادیانی نے قے کر دیں۔ اس کے بعد اس کی نبض ڈوبنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ایک انگریز ڈاکٹر آیا مگر وہ نہایت عبرتناک حالت دیکھتے ہی چلا گیا۔ بعض عینی شاہدین کے مطابق مرزا قادیانی کی مقعد اور منہ سے پاخانہ نکل رہا تھا۔ ایسی ہی بھیانک حالت میں مرزا قادیانی 26 مئی 1908ء کو صبح ساڑھے دس بجے احمدیہ بلڈنگ برانڈرتھ روڈ لاہور میں جہنم واصل ہو گیا۔

ے موت پاخانے میں پائی، حشر دوزخ میں ہوا
عہد نو کے معدی موعود کی کیا شان ہے

حکیم نورالدین

26 مئی 1908ء کو مرزا قادیانی لاہور میں دائمی پیچش اور وبائی ہیضہ کی وجہ سے جہنم واصل ہوا تو اس کا قریبی ساتھی حکیم نورالدین قادیان کی گدی پر پہلا خلیفہ مقرر ہوا۔ حکیم نورالدین بھیرہ ضلع سرگودھا کے ایک حجام گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ 1841ء میں بھیرہ میں پیدا ہوا۔ بارہ سال کی عمر میں اس نے اپنے بھائی سے عربی پڑھنا شروع کی اور اوائل عمری میں ہی وہ اپنے باپ کے ساتھ اسلامی علوم، منطق اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے لاہور آ گیا۔ بعد میں اس نے علم الادویہ کو زیادہ وقت دینا شروع کر دیا۔ وہ دینی علم اور عربی کی اعلیٰ تعلیم کے لیے رامپور، بھوپال، روہیل کھنڈ اور دہلی بھی گیا۔ کچھ عرصہ کے لیے وہ پنڈ دادنخاں کے ایک سکول میں بطور معلم کام کرتا رہا، پھر واپس بھیرہ آ کر معالج کے طور پر کام شروع کر دیا۔

18 نومبر 1910ء کو حکیم نورالدین قادیان میں گھوڑے پر سوار تھا کہ اچانک گھوڑے کے بدک کر تیز ہو جانے سے وہ حواس باختہ ہوگیا۔ گھوڑے کی لگامیں کھینچنے کے باوجود وہ تیز دوڑ رہا تھا۔ ایک موڑ کے آگے ایک شخص مہرالدین آتشباز کے مکان کے قریب پہنچ کر اس کا پاؤں رکاب ہی میں لٹک گیا اور کئی فرلانگ تک گھسٹتا ہی چلا گیا۔ لوگوں نے دیکھا تو ایک شور مچ گیا۔ چند ایک نے ہمت کی اور بھاگ کر گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ گھوڑا انہیں دھکیل کر کافی دور لے گیا۔ اسی اثناء میں حکیم نورالدین کا پاؤں رکاب سے نکل گیا۔ وہ ایک بڑے پتھر پر گرا اور ماتھے پر سخت چوٹ آئی، اور بائیں ٹانگ ٹوٹ گئی۔ سر سے بے حد خون نکل رہا تھا جو سر پر پانی ڈالنے کے باوجود بند نہ ہوا۔ معروف قادیانی شیخ رحمت اللہ کی بیوی نے اپنے دوپٹے سے خون صاف کیا۔ تھوڑی دیر بعد ہوش آیا تو اس کا شاگرد حکیم غلام محمد امرتسری اس کی چارپائی اٹھا کر اس کے مکان میں لے آیا۔ قادیانی ڈاکٹروں (ڈاکٹر محمد حسین شاہ، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ، ڈاکٹر کرم الٰہی، ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین وغیرہ) نے علاج معالجہ کیا تو پتہ چلا کہ جسم کے کئی حصوں پر گہرے زخم آئے ہیں۔ وہ تقریباً تین سال تک بستر علالت پر پڑا رہا۔ ٹانگ کا زخم ٹھیک نہ ہوا بلکہ بگڑ کر گنگرین میں تبدیل ہوگیا۔ اس کے علاوہ اس کی دماغی قوتیں شدت سے متاثر ہوئیں اور ذہنی توازن بری طرح بگڑنے لگا۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے خلاء میں تکتا رہتا۔ ایک عرصے تک اس سے خلاف عقل اور توہم پرستانہ حرکات سرزد ہوتی رہیں۔ ایک دن یکا یک قوت گویائی کھو بیٹھا۔ لہٰذا فوری طور پر میڈیکل کالج لاہور کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر میجر ہرڈ (Herd) کو علاج کے لیے بلایا گیا۔ وہ 19 جنوری 1911ء کو دوپہر کے وقت قادیان پہنچا اور حکیم نورالدین کا علاج شروع کیا۔ ڈاکٹر ہرڈ کے علاج سے کچھ افاقہ نہ ہوا۔

لیکن پھر درد شقیقہ شروع ہوگیا۔ جس سے وہ اکثر اختلالِ حواس کا شکار ہوگیا۔ ڈاکٹروں کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ آخر ڈاکٹر میر اسماعیل نے کہا کہ ابرو کے زخم سے وجنہ کو نقصان پہنچا ہے اور وہ ریح بن گیا ہے۔ میر اسماعیل نے اس کا آپریشن کیا۔ آپریشن کا زخم ناسور بن گیا۔ ڈاکٹر مرہم پٹی کرتے ہوئے کراہت محسوس کرتے۔ پیشاب کی کثرت ہوگئی اور شدت کا ہزال ہوا۔ زخم کا ناسور تین سال تک رہا۔ اس دوران اسے ذیابیطس کی شکایت ہوگئی جو مرتے دم تک ساتھ رہی۔ حکیم نورالدین اپنی بیماریوں سے شدید تنگ آ کر زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ وہ جلد مرنا چاہتا تھا مگر قدرت اسے دوسروں کے لیے عبرت کا نشان بنانا چاہتی تھی۔ نورالدین نے 16 ستمبر 1913ء کو حکیم فیروز الدین مؤلف رموز الاطباء لاہور کے نام اپنے ایک خط میں اپنی بے بسی اور کسمپرسی کا کھل کر اظہار کیا۔ ملک بھر کے ڈاکٹروں اور حکیموں کے طویل علاج کے باوجود وہ پوری طرح صحت یاب نہ ہوسکا۔ اس کے جسم پر کمزوری کے آثار ظاہر ہونے شروع ہوگئے۔ قادیانی جماعت کے جلسہ سالانہ 26 دسمبر 1913ء پر ابھی تقریر شروع ہی کی تھی کہ سر چکرانے سے نیچے گر پڑا اور تقریر مکمل کیے بغیر واپس گھر آ گیا۔ 15 جنوری 1914ء کو رات گئے پیشاب کے لیے لیٹرین میں گیا تو سینے کے بل دھڑام سے گرا اور پسلی میں سخت چوٹیں آئیں۔ یہ اس کی مرض الموت کا آغاز تھا۔ 17 جنوری کو اس کی طبیعت بے حد خراب ہونا شروع ہوگئی۔ شدید بخار اور سر درد رہتا۔ جو خوراک یا دوائی دی جاتی، قے کر دیتا۔ آہستہ آہستہ بیماری نے اس قدر زور پکڑ لیا کہ وہ بستر پر کروٹ نہ لے سکتا۔ اسی دوران دانتوں میں شدید درد شروع ہوگیا۔ 2 دانت نکلوانے سے مسوڑوں پر سوجن آ گئی۔ اس سے طبیعت مزید ناساز گار ہوگئی۔ فروری کے پہلے ہفتہ میں وہ وقفے وقفے سے بے ہوش ہو جاتا اور بول نہ سکتا۔ 15 فروری کو عبدالرحمٰن قادیانی لاہور سے ایک یورپین ڈاکٹر میلول کو لے کر پہنچا۔ اس نے معائنہ کیا اور بتایا کہ معدے میں رسولی ہے اور جب تک آپریشن نہ ہوگا، افاقہ نہ ہوگا۔ لیکن اس قدر ضعف اور کمزوری کی حالت میں اس کا آپریشن کرنا ممکن نہیں ہے۔ 18 فروری کو پسلی میں شدید درد ہوا۔ اس کی شدت اور تکلیف سے وہ دھاڑیں مار مار کر روتا۔ 19 فروری کو نصرت جہاں بیگم عیادت کے لیے آئی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دیر تک روتی رہی۔ نورالدین کی آنکھیں بھی پرنم ہوگئیں۔ آنکھوں میں ماضی کے تمام حسین واقعات گھوم گئے۔ نصرت دیر تک نورالدین کے پاس رہی۔ نصرت سے نورالدین نے کہا کہ وہ شہر سے باہر کھلی فضا میں رہنا چاہتا ہے کیونکہ یہاں اس کا دم گھٹتا ہے۔ چنانچہ نصرت کی سفارش پر نورالدین کو نواب محمد علی خاں کی وسیع و عریض کوٹھی دارالسلام کے سرونٹ کوارٹر میں شفٹ کر دیا گیا۔ 27 فروری 1914ء کو جب اس کی چارپائی اٹھا کر لے جائی جا رہی تھی تو راستے میں بورڈنگ ہاؤس کے پاس ایک آدمی کا ہاتھ پھسل جانے سے چارپائی نیچے

گری اور حکیم نورالدین کی پسلیوں کے زخم پھر ہرے ہوگئے۔ اس موقع پر مرزا شریف احمد نے چار پائی اٹھانے والوں کو خوب لعن طعن کی۔ مورخ تاریخ احمدیت دوست محمد شاہد کے بقول یہ سب کچھ ایک سازش کے تحت ہوا۔ دراصل مولوی صدرالدین اور مولوی محمد علی چاہتے تھے کہ حکیم نورالدین کو ہائی سکول کے بورڈنگ ہاؤس کی اوپر کی جنوبی منزل میں لے جایا جائے۔ اس تمام کوشش کا درپردہ منشاء یہ تھا کہ حکیم نورالدین کو ایسی جگہ رکھا جائے جہاں لوگ زیادہ نہ جاسکیں اور خاص پہرہ بھی تجویز کیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ حکیم نورالدین کے مرنے کے بعد مولوی محمد علی کی خلافت کا اعلان کیا جاسکے۔ لیکن مرزا محمود اور مرزا شریف نے اپنے حواریوں سمیت نورالدین کو نہایت تکلیف اور غمناک حالت میں نواب محمد علی خاں کی کوٹھی منتقل کر دیا۔ 2 مارچ کو حکیم نورالدین نے پسلیوں میں درد کی شکایت کی جس کا سلسلہ اگلے دنوں میں اور زیادہ تشویشناک صورت اختیار کرگیا۔ اس رات اس کی گردن پر ایک گلٹی نمودار ہوئی جس سے اس کے جسم کا رنگ تیزی سے سیاہ ہونے لگا۔ گلٹی کی تکلیف سے نورالدین کی طبیعت مزید بگڑ گئی۔ ڈاکٹروں نے علاج معالجے کے لیے ازسرنو مشورے کیے۔ میر اسماعیل نے اس گلٹی کا چھوٹا سا آپریشن کیا تاکہ پیپ خارج ہو جائے۔ زخم پر نشتر چلنے کی دیر تھی کہ نورالدین شدت درد سے بے تحاشا چیخیں مارنے لگا۔ اس کی گردن پیپ اور خون سے بھر گئی۔ اس منظر کو دیکھ کر ڈاکٹروں کے جسم پر بھی کپکپی طاری ہوگئی۔ 13 مارچ کی صبح طلوع ہوتے ہی نورالدین کی آنکھیں پتھرا گئیں اور نبض تیز تیز چلنے لگی۔ دو بجے دوپہر فالج کا شدید دورہ پڑا جس سے سارا جسم مفلوج ہوگیا۔ دو بج کر 20 منٹ پر نہایت عبرتناک اور اذیت ناک حالت میں جہنم واصل ہوا۔

مرزا بشیرالدین محمود

قادیانی جماعت کا دوسرا خلیفہ مرزا بشیرالدین محمود 12 جنوری 1889ء کو قادیان میں پیدا ہوا۔ اس کا بچپن آوارگی، شرارتوں، ایذا رسانیوں اور بے لگام گھٹیا خواہشات کی تکمیل میں گزرا۔ وہ غلیل لے کر دوستوں کے ساتھ طوطوں کا شکار کرتا اور ان کا گوشت کھاتا۔ مرزا محمود رات دیر تک قادیان کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ پھرتا رہتا اور گھر نہ آتا۔ قادیان کے گندے تالاب میں نہاتا اور برسات کے موسم میں راہ چلتے لوگوں پر پانی پھینکتا اور خوش ہوتا۔

جب مرزا محمود کی عمر 12 سال تھی اور اسے اپنے اس مستقبل کی کوئی خبر نہ تھی جو اس کی زیرک ماں اس کے لیے محفوظ کرنے کی کوششیں کر رہی تھی۔ حکیم نورالدین کی موت (جس کا وہ اور اس کا خاندان شدت سے انتظار کر رہا تھا) کے بعد بے صبری، بے اطمینانی اور افتراق کی جو چنگاری پچھلے چھ سالوں یعنی (1908ء تا 1914ء) سے آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی، بھڑک کر شعلہ بن گئی۔ میر ناصر نواب، میر اسحاق اور انصار اللہ کے گروپ نے طاقت، غنڈہ گردی کے مظاہرے کے بعد

مرزا محمود کو قادیان میں بطور خلیفہ تخت نشین کرا دیا۔ ایسی بدنظمی کی مثال پہلے قادیانی تحریک کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ وہ 25 سال کی عمر میں ایک سازش کے تحت قادیانیوں کا خلیفہ بنا۔ خاندان کے دستور کے مطابق ابتداء ہی سے مرزا محمود کے لیے ایک کھلائی یعنی دایہ مقرر ہوئی۔ یہ دایہ دراصل بیمار تھی۔ اس کی موذی بیماری کے اثرات کس طرح مرزا محمود کے جسم میں ظاہر ہوئے، اس کا تذکرہ خود مرزا قادیانی نے اپنے قلم سے کیا ہے۔ (دیکھئے روزنامہ الفضل ربوہ 19 فروری 1956ء ص 7)

10 مارچ 1954ء بروز بدھ تقریباً پونے چار بجے کے قریب مرزا محمود پر عبدالحمید نامی ایک شخص نے چاقو سے وار کیا۔ چاقو کا یہ وار مرزا محمود کی گردن پر شہ رگ کے قریب دائیں جانب پڑا جس سے گہرا گھاؤ پڑ گیا۔ حملہ آور عبدالحمید نے دوسرا وار کیا تو مرزا محمود کے محافظ اقبال کے درمیان میں آ جانے کے باعث چاقو مرزا محمود کے بجائے اسے جا لگا اور وہ زخمی ہوگیا۔ موقع پر موجود قادیانیوں نے عبدالحمید کو پکڑنے کی کوشش کی اور کافی جدوجہد کے بعد اسے قابو میں لایا گیا اور اس کوشش میں کئی قادیانی بھی زخمی ہوئے۔ مرزا محمود زخم لگنے کے بعد بہتے خون کے ساتھ چیخیں مارتا ہوا اپنے مکان میں چلا گیا۔ خون کو ہاتھ سے روکنے کی پوری کوشش کے باوجود تمام راستہ میں اور سیڑھیوں پر خون بہتا گیا جس سے اس کے تمام کپڑے خون سے تربتر ہوگئے۔ مکان پر پہنچ کر ابتدائی مرہم پٹی ڈاکٹر مرزا منور احمد اور ڈاکٹر حشمت اللہ نے کی، زخم کو صاف کر کے اور ٹانکے لگا کر سی دیا گیا۔

رات کو لاہور سے مشہور سرجن ڈاکٹر ریاض قدیر آیا تو اس نے زخم کی حالت دیکھ کر ضروری سمجھا کہ ٹانکے کھول کر پوری طرح معائنہ کیا جائے تو معلوم ہوا کہ زخم بہت زیادہ خطرناک اور سوا دو انچ گہرا اور شاہ رگ کے بالکل قریب پہنچا ہوا ہے اور خون کی دو رگیں کٹ گئی ہیں۔ ڈاکٹر ریاض نے خواب آور ٹیکہ لگا کر قریباً سوا گھنٹہ زخم کا آپریشن کیا اور اندر کی شریانوں کا منہ بند کر کے باہر ٹانکے لگا دیئے۔

26 فروری 1955ء کو شام سات بجے کے قریب مرزا محمود سیڑھیوں سے چکرا کر گرا اور بے ہوش ہوگیا۔ بلڈ پریشر ایک سو ستر (170) تک پہنچ گیا۔ یہ فالج کا خفیف سا اٹیک تھا جس سے اس کی زبان پر اثر ہوا وہ بولتا لیکن آواز صاف نہ ہوتی۔ ابتدائی علاج کے لیے ڈاکٹر مرزا منور احمد انچارج فضل عمر ہسپتال اور کیپٹن ڈاکٹر محمد رمضان آئے اور ضروری ادویات دیں۔ بعدازاں لاہور کے ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش، ڈاکٹر پیرزادہ، ڈاکٹر محمد یوسف اور ڈاکٹر غلام محمد نے خون اور پیشاب کے مختلف ٹیسٹوں کی رپورٹیں دیکھنے کے بعد کہا کہ اس پر فالج کا حملہ ہوگیا ہے جو مستقبل میں شدت اختیار کر لے گا۔ ڈاکٹروں نے اسے علاج کے لیے یورپ یا امریکہ جانے کا مشورہ دیا۔ یورپ کی اس علاج نما سیر میں مرزا محمود کے ہمراہ اس کی چار بیویاں ام ناصر، ام وسیم، مریم اور بشریٰ شامل

تھیں۔ اس کے علاوہ اس کی بیٹیاں بیگم مرزا مبارک احمد، صاحبزادی امۃ الباسط اور داؤد احمد بھی ہمراہ تھے۔ داؤد احمد اور اس کی اہلیہ امتہ الباسط تقریباً ڈیڑھ سال تک لندن رہے۔

مرزا محمود کا فیملیوں سمیت یہ قافلہ 23 مارچ 1955ء کو لاہور سے کراچی، کراچی سے دمشق، دمشق سے بیروت، بیروت سے زیورک، زیورک سے جرمنی، جرمنی سے ہالینڈ، ہالینڈ سے لندن اور لندن سے کراچی غریب قادیانیوں کے چندوں سے سیر و سیاحت کرتا ہوا تقریباً 6 ماہ بعد 5 ستمبر 1955ء کو واپس پاکستان پہنچا۔

جرمن کہاوت ہے ''خدا کی چکی آہستہ چلتی ہے مگر خوب پیستی ہے۔'' یعنی خدا ظالم کو موقع دیتا ہے کہ وہ سنبھل جائے، بالآخر اس کے اعمال بد کی اس کو بھرپور سزا دیتا ہے۔

25 فروری 1959ء کو وہ اپنی زمینوں کے معاملات کے سلسلہ میں سندھ کے سفر پر تھا کہ بشیر آباد سے واپسی پر اس کی کار کا پہیہ پھسل کر ایک گڑھے میں چلا گیا۔ اس کے دھچکے سے اس کی ریڑھ کی ہڈی کا ایک مہرہ ٹوٹ گیا۔ اعصابی کمزوری اور دوسرے عوارض کی وجہ سے اس کی طبیعت پہلے ہی خراب تھی، اس لیے اس دھچکہ کے بعد مختلف عوارض عود کر آئے حتیٰ کہ 27 مئی 1959ء کو بے ہوشی طاری ہوگئی اور نبض ڈوبنے لگی۔ فضل عمر ہسپتال کے ڈاکٹروں کی ایک ٹیم فوری طور پر اس کے مکان پر پہنچی اور معائنہ کیا۔ چند گھنٹوں بعد وہ ہوش میں آ گیا۔ مگر ضعف اور نقاہت کا غلبہ رہا۔ ایک ہفتہ بعد وہ نقرس کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا۔ پھر ساتھ ہی ایگزیما اور کھانسی کے عوارض بھی لاحق ہوگئے جس سے اس کے قویٰ مضمحل ہوگئے۔ 23 جون کو اسے گردوں کی شدید تکلیف لاحق ہوگئی۔ جس سے اس کی تکلیف اور اذیت میں بے حد اضافہ ہوگیا۔ ان عوارض نے اس کے حواس میں قدرے اختلال پیدا کر دیا تھا۔ وہ اپنے ڈاکٹروں اور معالجوں کے قتل کے بارے میں سوچتا، شاید وہ ان پر اعتماد نہ کرتا تھا۔ 15 جولائی کو وہ ایک خطرناک دماغی بیماری ''شیزوفرینیا'' کا شکار ہوگیا۔ یہ ایک نہایت تکلیف دہ ذہنی بیماری اور دماغ کو ناکارہ کر دینے والا مرض ہے۔ اس موذی مرض میں مبتلا ہونے کے بعد وہ عجیب وغریب باتیں سوچتا اور حالات و واقعات کو یکجائی نظروں سے دیکھنے کی صلاحیت کھو بیٹھا۔ وہ اپنے دماغ میں اندرونی آوازیں سنتا تو سمجھتا کہ لوگ میری جاسوسی کر رہے ہیں اور مجھ پر تسلط کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ بے تحاشا گندی اور فحش گالیاں بکتا اور چیخ چیخ کر کہتا کہ میں بادشاہ ہوں۔ کبھی کہتا کہ کوئی مجھے زہر دے کر مار دے گا۔ وہ اس سلسلہ میں اپنے بیٹے مرزا رفیع کو مورد الزام ٹھہراتا۔ یوں محسوس ہوتا کہ وہ بالکل مخبوط الحواس ہو چکا ہے۔ وہ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے ان کی گولیاں بناتا، پھر انہیں دو ڈھیریوں کی شکل میں رکھتا جاتا۔ پھر ایک ایک گولی اٹھا کر اپنے منہ میں ڈالتا اور اچھی طرح چبا کر نگل جاتا۔ اس کی قوتِ گویائی ہمیشہ کے لیے ختم

ہو چکی تھی۔ وہ دنیا و مافیہا سے قطعاً بے خبر اور بیگانہ ہو چکا تھا۔ دماغی امراض کے ماہرین نے اس کا معائنہ کیا۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ مرض بہت بڑھ چکا ہے اور اب لاعلاج ہے۔ 3 ستمبر 1959ء کو اس پر فالج کا زبردست حملہ ہوا، جس سے وہ مزید عبرت کا نشان بن گیا۔ وہ بستر مرگ پر فحش کلمات اور غلیظ مغلظات کا بے دریغ استعمال کرتا۔ اسی دوران صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور، مرزا محمود کے عوارض کی تمام رپورٹس لے کر خود جرمنی گیا اور وہاں کے مشہور ڈاکٹر پروفیسر پیٹے سے مشورہ کیا گیا۔ اس نے جو علاج اور ادویات تجویز کیں، اس سے بھی کوئی فرق محسوس نہ ہوا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ اسلام دشمنی کی وجہ سے خدائی گرفت میں آ چکا ہے۔ یہ بیماری نہیں بلکہ خدائی قہر اور غضب تھا جس کی لپیٹ میں وہ مکمل طور پر آ چکا تھا۔ قادیانی تاریخ میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو ظلم وستم، شقاوت، سنگدلی، سفاکی و بے رحمی کے علاوہ گھناؤنی عیاشی و اوباشی اور جنسی ہوس رانیوں میں مرزا محمود کا پاسنگ بھی ہو۔ مرزا محمود فالج کا شکار ہو کر بستر مرگ پر زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔

گستاخ رسول مرزا محمود کے علاج کے لیے بیرون ملک سے ایک بہت بڑے ہومیو پیتھک ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ ڈاکٹر نے مرزا بشیر الدین کا تفصیلی معائنہ کیا اور یہ کہہ کر چلا گیا:

''میں بیماری کا علاج تو کر سکتا ہوں لیکن خدائی پکڑ کا علاج نہیں کر سکتا۔''

آخر کار اس ''تقدس مآب'' کی یہ کیفیت ہوگئی کہ سوکھ کر صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا۔ بالآخر 8 نومبر 1965ء کو طویل عذابی علالت کے بعد سسک سسک کر اس کا دم نکلا اور آنجہانی ہو گیا۔ مرتے وقت اس کی آنکھیں کچھ اس طرح پتھرا گئی تھیں کہ دیکھنے والے کانپ کر رہ گئے۔ آخری وقت آنکھوں میں اس کی روح کی ساری ابلیسی خباثت کھنچ آئی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ مکہ اور مدینہ سے فیض حاصل کرنا ختم ہو گیا ہے، اب لوگوں کو قادیان آنا چاہیے (نعوذ باللہ)۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس دنیا میں اسے اس کے شیطانی اعمال کی سزا دینا ممکن ہی نہ تھا۔ بہر حال اس کے گستاخانہ کرتوتوں کی سزا کچھ تو اس جہاں میں مل گئی جو دیکھنے والوں کے لیے عبرت کا نشان ہے۔ لاہوری قادیانیوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے مرزا محمود کی بیماری کے دوران مختلف رجسٹری خطوط، پمفلٹوں، اشتہارات اور کتابچوں کے ذریعے خبردار کیا تھا کہ وہ اس بیماری سے عبرت حاصل کرے لیکن اس نے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ ہماری یہ تمام کوششیں دوائی کے طور پر تھیں۔

سچ ہے کہ گستاخِ رسول ﷺ کا مقدر ہی رسوائی ہے۔ زندگی، موت، قبر وحشر، رسوائی ہی رسوائی۔

نصرت جہاں بیگم

مرزا قادیانی کی دوسری بیوی نصرت جہاں بیگم دہلی کے ایک آزاد خیال گھرانے میں

1868ء میں پیدا ہوئی۔ اس کا باپ ناصر نواب پنجاب کے محکمہ نہر میں ملازم تھا۔ ناصر نواب ملازمت کے سلسلہ میں کئی سال تک مرزا قادیانی کے مکان پر رہ چکا تھا۔ 17 نومبر 1884ء کو نصرت کا نکاح مرزا قادیانی سے ہوا۔

نصرت جہاں بیگم اپنی عمر کے آخری 5 سالوں میں بیماریوں کے جہنم میں جلتی رہی۔ جون 1947ء میں اس کے گردوں میں نقص پیدا ہو جانے سے بیماری کا آغاز ہوا۔ بندش پیشاب کی وجہ سے اس کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ گردوں کی درد کا شدید دورہ پڑتا تو وہ شدت درد سے چیخیں مارتی۔ کینسر تو ایک عرصہ سے اندر ہی اندر دیمک کی طرح اس کے جسم کو چاٹ رہا تھا۔ اس کے پیٹ میں جو شدید درد اٹھتا، اس پر کوئی خاص توجہ نہ دی گئی۔ مختلف ٹیسٹوں کے بعد ماہر ڈاکٹروں نے جن میں لاہور سے ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ، ڈاکٹر غلام محمد بلوچ اور ڈاکٹر محمد یوسف شامل تھے، رائے دی کہ اسے کینسر ہے اور کینسر بھی مایوس کن حد تک پہنچا ہوا ہے۔ ضعف اور نقاہت نے نصرت کے جسم کا یہ عالم بنا دیا تھا کہ اس کی طرف دیکھ کر کوئی کمزور دل آدمی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ سرطان کے ساتھ ہی خون کی کمی کے باعث اسے یرقان بھی تھا۔ آنکھیں زرد، چہرہ زرد، جسم پیلا، وہ بظاہر زندہ ہوتے ہوئے مردہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کے گلے کی رگیں پھولنے لگی تھیں۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ اس کا آپریشن کیا جائے مگر ڈاکٹر محمد یعقوب خاں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ سرطان کا زہر سارے جسم میں سرایت کر گیا ہے، اس لیے کوئی آپریشن کامیاب نہ ہوگا۔ بعد ازاں حکیم محمد حسن قرشی نے علاج شروع کیا جن کے ساتھ حکیم محمد حسین مرہم عیسیٰ بھی تھے۔ انہوں نے کئی ماہ علاج کیا مگر ان کے علاج سے بھی تخفیف کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی بلکہ سر درد کے شدید دوروں کی وجہ سے دماغی عارضہ میں مبتلا ہوگئی۔ گھٹنوں پر ورم کی وجہ سے وہ سکون سے سو نہ سکتی، سر میں چکر کی وجہ سے کئی دفعہ چلتے چلتے گر جاتی اور چوٹیں بھی لگتیں۔ ایک دفعہ سیڑھیوں سے گری تو کمر کے مہروں میں سخت چوٹ آئی جس کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہوگئی۔ پھر ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد اور ڈاکٹر حشمت اللہ خاں نے علاج کرنا شروع کیا۔ بے تحاشا دوائیوں کے استعمال سے اس کے جسم میں قوت مدافعت ختم ہوگئی۔ مرنے سے ایک ماہ پہلے مارچ 1952ء میں اسے سر گنگا رام ہسپتال میں داخل کروایا گیا۔ اسے Papilloma کی وجہ سے پیشاب میں بہت زیادہ خون آتا۔ ہر روز عذاب کا نیا دن طلوع ہوتا۔ پھر اس پر تھرمباسس کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے اس کی حالت دگرگوں ہوتی چلی گئی۔ اس کا منہ بے حد متورم ہوگیا اور بیہوشی طاری ہوگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد دو دفعہ قے آئی جس میں خون بھی تھا۔ ہوش آیا تو سخت سر درد اور سردی کی شکایت کی۔ پھر قے آئی جس کے معاً بعد بے ہوش ہوگئی اور ساتھ ہی سانس میں رکاوٹ کی تکلیف ہونے لگی۔ علاج کے لیے ڈاکٹر میر اسماعیل، ڈاکٹر حشمت

اللہ خاں، ڈاکٹر ثناء اللہ، ڈاکٹر محمد احمد، اور نرس ظفر نور کو بلایا گیا۔ کئی ادویہ کے ٹیکے لگائے گئے مگر سانس اور بے ہوشی میں کوئی فرق نہ آیا۔ ڈاکٹر میر اسماعیل نے آخری دن دیکھتے ہی مایوس کن حالت میں کہا کہ اس ''بیماری کا کوئی علاج نہیں۔'' اس موقع پر مرزا محمود اور اس کے خاندان کے کئی لوگ جمع ہو گئے۔ ڈاکٹر میر اسماعیل نے لمبر پنکچر کیا یعنی ریڑھ کی ہڈی سے پانی نکالنا چاہتا تو پانی کی بجائے خون نکلا جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ دماغ کی رگ پھٹ گئی ہے۔ ڈاکٹر بشارت کا بیان ہے کہ میر اسماعیل نے جب دیکھا کہ خون نکل رہا ہے تو فوراً سوئی (Needle) کو ہڈی سے باہر نکال دیا اور کمرے سے یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ یہ ''عجیب وغریب بیماری ہے جس سے بچنے کی کوئی امید نہیں۔'' تقریباً 5 سال زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد نصرت جہاں بیگم 21 اپریل 1952ء کو رات گیارہ بجے بڑے عبرتناک انجام کے بعد جہنم واصل ہوئی۔

مرزا ناصر احمد

قادیانی جماعت کا تیسرا خلیفہ مرزا ناصر 16 نومبر 1909ء کو مرزا محمود کی پہلی بیوی محمودہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم قادیان میں حاصل کی۔ 1934ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ اسے گھڑ سواری کا بھی شوق تھا۔ ایک بار گھوڑے پر سوار ہوا گھوڑے کے بدکنے پر نیچے گرا اور کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس کا اثر آخری عمر تک رہا۔

دوسری شادی کے وقت مرزا ناصر کی جوانی کا دریا اتر چکا تھا اور اب وہ بڑھاپے کی دلدل میں دھنس چکا تھا۔ شادی سے پہلے 1978ء میں وہ دانتوں کی شدید تکلیف اور ڈینچر لگوانے کی وجہ سے شدید علیل ہو گیا تھا۔ بعد ازاں وہ ایک عرصہ سینٹ الزبتھ ہسپتال لندن میں زیر علاج رہا۔ ایک میڈیکل رپورٹ کے مطابق اس کے خون میں 10 قسم کی مختلف نشہ آور اشیاء شامل تھیں۔ اس کے علاوہ وہ شوگر کا مریض ہونے کے ساتھ ساتھ سانس کی تکلیف میں بھی مبتلا تھا۔ اس حالت میں اس نے ڈاکٹر طاہرہ سے دوسری شادی کی۔ مرزا ناصر اس کے ہاتھوں کھلونا بنا ہوا تھا۔ 23 مئی 1982ء کو وہ دونوں ہنی مون منانے اسلام آباد چلے گئے۔ اس نے ربوہ کے مشہور دواخانہ نظام جان سے مردانہ طاقت کی خاص دوا ''اکسیر اعظم'' منگوائی اور مشہور ہے کہ اس میں سنکھیا اور افیون شامل ہوتی ہے۔ اس دوا کے استعمال سے مرزا ناصر میں عارضی طور پر جنسی طاقت عود کر آئی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ ایک عجیب وغریب داستاں ہے۔ لیکن سنکھیا کا اپنا ایک اثر ہوتا ہے۔ اگلے روز اس دوا کی زیادہ مقدار کھانے سے مرزا ناصر کی حالت خراب ہونے لگی۔ اسے شدید کمزوری محسوس ہوئی اور ساتھ ہی پسینہ سے بدن تر ہو گیا۔ اس کے فوراً بعد ڈاکٹری معائنہ کے نتیجہ میں معلوم ہوا کہ خلاف عادت، خون کا دباؤ بڑھا ہوا ہے۔ خون میں شکر کی مقدار کم از کم ضرورت سے بھی زیادہ گر گئی۔ اس

کے بعد اچانک دل کی رفتار بہت بڑھ گئی اور ساتھ ہی سانس کی تکلیف شروع ہوگئی۔ یکم جون کو ماہرین امراض قلب نے اس کا طبی معائنہ کیا۔ ان کی رائے میں صورتحال تسلی بخش نہ پائی گئی۔ دل اور سانس کی تکلیف بدستور رہی۔ 3 جون کو انگلستان کے سینٹ تھامس ہسپتال لندن کے مشہور ہارٹ سپیشلسٹ ڈاکٹر سٹیون جینکنز (Steven Jankins) کو اسلام آباد پاکستان بلوایا گیا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ مردانہ کمزوری دور کرنے کی مقوی و محرک دوا کھانے سے خون کا دباؤ دل پر بڑھ گیا ہے جس سے دل کا شدید دورہ پڑا۔ اس کے نتیجہ میں دل کی کارکردگی کمزور پڑ گئی ہے اور سانس کی تکلیف ہوگئی ہے۔ چونکہ مرزا ناصر کو پہلے ہی ذیابیطس کی بھی تکلیف تھی، اس لیے یہ بیماری انتہائی تشویشناک صورت اختیار کرگئی۔ چنانچہ ڈاکٹر سٹیون جینکنز کے مشورہ کے مطابق علاج جاری رہا۔ فضل عمر ہسپتال ربوہ کے ڈاکٹرز لطیف احمد قریشی، ڈاکٹر مرزا مبشر احمد، راولپنڈی کے جنرل محمود الحسن، میجر مسعود الحسن نوری، ڈاکٹر شاہد احمد اور دیگر کئی ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ مرزا ناصر نے جو ممسک ادویہ استعمال کی ہیں، اس کی وجہ سے حالت خراب ہوئی ہے۔ ٹھیک ایک دن بعد مرزا ناصر احمد پر دل کا شدید حملہ ہوا۔ 8 اور 9 جون 1982ء منگل بدھ کی درمیانی شب پونے ایک بجے قادیانی عبادت گاہ اسلام آباد میں نہایت عبرتناک موت مرا۔ چونکہ اس کے جسم میں سنکھیا کا اثر پورے طور پر موجود تھا، اس لیے اس کے زہریلے اثر سے اس کی لاش گلنا سڑنا شروع ہوگئی۔ لہٰذا فوری طور پر ایلومینیم کے تابوت میں اس کی لاش بند کر کے ربوہ بھجوا دی گئی۔

مرزا طاہر احمد

قادیانی جماعت کا چوتھا خلیفہ مرزا طاہر 18 دسمبر 1928ء کو مرزا محمود کے ہاں قادیان میں پیدا ہوا۔ 1944ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ پھر گورنمنٹ کالج لاہور سے تھرڈ ڈویژن میں ایف ایس سی اور بعدازاں پرائیویٹ طور پر بی اے کیا۔ 1955ء میں سیر و سیاحت کے لیے لندن گیا تو وہاں کی رنگینیوں میں اس قدر کھو گیا کہ وہیں کا ہو کر رہ گیا۔ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ جب کسی گستاخ کو سزا دیتے ہیں تو سب سے پہلے اس کی عقل سلب کر لیتے ہیں (یعنی اس کی مت ماری جاتی ہے)۔ مرزا طاہر کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ اس کی موت کے آخری چار سال نہایت عبرتناک تھے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مکمل طور پر خدائی گرفت میں آچکا ہے۔ ہائی بلڈ پریشر، ذیابیطس، شدید کھانسی، سانس کی تکلیف، معدہ کی تکلیف، طبیعت میں بے چینی، پیٹ کی بیماری، اعصابی کمزوری، خون میں شوگر، کولیسٹرول کی زیادتی اور ہارٹ اٹیک جیسے مرض بری طرح اسے چمٹے ہوئے تھے۔

مرزا طاہر اپنی عمر کے آخری مہینوں میں عبرت کا نشان بنا رہا۔ اس کے کسی خطبہ کی سمجھ نہ آتی۔ اس کے خطبات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مرزا طاہر قطعی طور پر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے۔ مرزا طاہر کبھی نماز میں دعائے قنوت پڑھ دیتا اور کبھی خطبہ میں اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلا جاتا...... ایم ٹی اے اسے عبادت گاہ میں نہ آتے ہوئے دکھاتا اور نہ جاتے ہوئے۔ بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا کہ قادیانی جماعت کے موجودہ ارباب اختیار جان بوجھ کر مرزا طاہر کی رسوائی چاہتے تھے اور اسے ایسے خطبوں میں لے آتے یا پھر خدائی تقدیر تھی جو مرزا طاہر کی رسوائی کی صورت میں اس کے عبرتناک انجام کو ساری دنیا کے سامنے بیان کرتی رہی اور بتا رہی تھی و **تذل من تشاء**......

مرزا طاہر کو شائد وہم بھی نہ تھا کہ وہ اچانک مر جائے گا۔ اس کی چار بیٹیوں میں سے صرف ایک بیٹی فائزہ لقمان اس کے پاس تھی۔ دوسری بیٹی شوکت جہاں اپنے میاں سے لڑائی جھگڑے کے بعد مستقل پاکستان میں تھی۔ دوسری دو بیٹیاں کسی اور ملک کی سیر پر گئی ہوئی تھیں۔ ایک دن پہلے اس کی طبیعت قدرے بہتر تھی۔ 19 اپریل 2003ء کو ناشتہ کی میز پر اس کو دل کا دورہ پڑا اور ساتھ ہی جسم کے بائیں طرف فالج کا حملہ ہوگیا جو پہلے سے زیادہ شدید تھا۔ اس سے فوری طور پر مرزا طاہر کا منہ ٹیڑھا ہوگیا۔ ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق یہ لقوہ تھا۔ بائیں آنکھ، بازو، ٹانگ اور دیگر اعضاء بری طرح ساکت ہو کر رہ گئے۔ مرزا طاہر کچھ بولنے کی کوشش کرتا مگر مرزا قادیانی کی وحیوں کی طرح کچھ سمجھ میں نہ آتا۔ وہ میز پر پڑی دوائیوں کے ڈھیر کو دیکھتا تو چیخنے لگتا۔ اس دوران وہ دائیں ہاتھ سے اپنی داڑھی کو بری طرح کھینچتا اور یکدم چپ ہو جاتا پھر بے تحاشا ہنستا اور اچانک رونے لگتا۔ کمرے میں لٹکی مرزا قادیانی کی تصویر کو دیکھتا تو غصے سے اول فول بکنے لگتا۔ اسی اثناء میں ایک عجیب حادثہ یہ ہوا کہ مرزا طاہر کے جسم کے تمام بال گرنا شروع ہو گئے اور آناً فاناً پورا جسم بالوں سے حتیٰ کہ داڑھی اور بھنویں تک صاف ہو گئیں۔ مرزا طاہر کی شکل بگڑ کر اتنی کریہہ اور مکروہ ہوگئی کہ دیکھتے ہوئے متلی آتی تھی۔ اس کے کپڑے بول و براز سے لتھڑے پڑے تھے۔ جو شخص اس کے کپڑے تبدیل کرنے کے لیے آگے بڑھتا، مرزا طاہر غصے سے اس کے منہ پر تھوکتا اور چلاّتا۔ ماہر ڈاکٹروں کی ٹیم نے جسم کو فالج کے مزید اثرات سے بچانے کے لیے سرتوڑ کوشش کی مگر ناکام رہے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ موت کا فرشتہ سر پر آن کھڑا ہے۔ ڈاکٹروں کے علاوہ موقع پر درجنوں قریبی عزیز اور جماعت کے اعلیٰ عہدیدار اس صورتحال کے عینی شاہد ہیں۔

چند گھنٹوں بعد دل کا دوسرا اٹیک ہوا، جو پہلے کی نسبت زیادہ شدید تھا۔ راز دار درون خانہ کے مطابق یہ کسی ذہنی اذیت کا باعث تھا۔ بہرحال اسی حالت میں 6 اپریل 1902ء ''اپریل والے الہام'' کے مطابق اپریل کے مہینے میں اس کی عبرتناک موت واقع ہوئی۔

چودھری ظفر اللہ قادیانی

چودھری ظفر اللہ خاں معروف سیاست دان، قادیانیت کا ستون اور مثالی انگریز نواز تھا۔ وہ برٹش سامراج کی غلامانہ خدمات اور ان کے خود کاشتہ پودے (قادیانی مذہب) کا سرگرم رکن ہونے کے باعث دنیوی ترقی کی منازل بہت تیزی سے طے کرتے چلا گیا۔ سر ظفر اللہ چونکہ ساری زندگی بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہا، اس لیے اکثر نادان اس کی زندگی بڑی خوشگوار اور مطمئن خیال کرتے تھے اور اب بھی اکثر لوگ سمجھتے ہیں، خاص طور پر قادیانی حضرات تو اس کی بظاہر شاندار زندگی اور بڑے عہدوں پر تعیناتی کو قادیانی مذہب کی حقانیت پر دلیل قرار دیتے ہیں لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ سر ظفر اللہ کی بظاہر شاندار زندگی اندر سے بالکل کھوکھلی اور عبرتناک تھی۔ اس کو ساری عمر گھریلو سکون نصیب نہ ہوا۔ اس نے تین شادیاں کیں، تینوں کا انجام حسرت ناک رہا۔ کوئی شادی کامیاب نہ رہی۔ کوئی نرینہ اولاد نہ ہوئی۔ اس کا بھی اسے ساری عمر قلق رہا۔ سر ظفر اللہ کو اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہوتے ہوئے نیز حکومت اور اپنے مذہبی سربراہوں کی مکمل تائید و مدد کے باوجود ساری عمر جن جن حسرتوں، ناکامیوں اور نامرادیوں کا سامنا رہا، اور بالآخر نہایت عبرت ناک ذلت آمیز موت سے ہم آغوش ہونا پڑا، اس کا تذکرہ ایک علیحدہ کتاب کا متقاضی ہے۔ کئی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف نوع کے عذاب اس پر وارد کیے گئے تاکہ اسے خبردار کیا جائے کہ قادیانیت سے توبہ کرلے مگر اس نے اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا۔
ظفر اللہ 1893ء میں پیدا ہوا۔ اس کا والد مرزا قادیانی سے متاثر تھا اور قادیان آتا رہتا تھا۔ ظفر اللہ بھی کبھی کبھار اس کے ساتھ قادیان جانے لگے۔ حکیم نور الدین کی دور بین نظر نے لڑکے کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور اس کے والد کو خط لکھا کہ بیٹے کی بیعت کرا دو۔ یہ 1907ء کی بات ہے۔ پوسٹ کارڈ ظفر اللہ نے بھی پڑھا۔ جب والد کے ساتھ قادیان گیا، تو اس کا خیال تھا والد بیعت کے لیے کہیں گے مگر نہ جانے کیوں اس نے بیٹے سے اس سلسلے میں کچھ بھی نہ کہا۔ حتیٰ کہ واپس سیالکوٹ جانے لگے۔ لیکن ظفر اللہ پر چونکہ حکیم نور الدین کا اثر تھا، اس لیے اس کے خط کے پیش نظر ستمبر 1907ء میں مرزا قادیانی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

لندن سے نومبر 83ء میں سخت جان کنی کی حالت میں لاہور آیا کہ بچوں کے سامنے آرام سے جان دے گا مگر جان بھی آسانی سے نہ نکلی۔ دو سال سخت تکلیف میں مبتلا رہا۔ آخری دو ماہ تقریباً مسلسل بے ہوشی کی حالت میں گزارے اور کبھی ہوش میں آتا تو سخت اضطراب اور گھبراہٹ میں ہوتا۔ ایک دم چلاتا اور کبھی شدید غصے میں برسنے لگ جاتا۔ کبھی شدت بیماری سے

طبیعت بے چین ہو جاتی اور راتوں کو نیند نہ آتی۔

قانون قدرت کے مطابق ہر اوج کے لیے پستی اور ہر کمال کے لیے زوال مقدر ہے۔ لیکن سر ظفر اللہ کے اوج کمال کے مقابل اس کے زوال و پستی کا منظر اس قدر دردناک ہے کہ اس کے زمانہ عروج کی خباثتیں دھندلی پڑ جاتی ہیں۔ جولائی 1985ء میں وہ شدید علیل ہو گیا۔ اس کی بھوک کی خواہش زائل ہو چکی تھی۔ میڈیکل رپورٹوں کے مطابق اس کے معدہ میں رسولی تھی جسے آپریشن کے ذریعے نکالنا جان لیوا ثابت ہو سکتا تھا۔ کئی دنوں تک اس پر ہذیاتی کیفیت طاری رہی۔ وہ گھنٹوں شدت درد سے کراہتا اور پھر لاش کی طرح بے جان ہو جاتا۔ اسے یوں محسوس ہوتا جیسے کسی نے اس کے پیٹ میں خنجر گھونپ دیا ہو۔ اگست 1985ء کے آخری عشرہ میں اس پر فالج کا بدترین حملہ ہوا۔ کوئی دوا اور دعا کارگر ثابت نہ ہوئی۔ اس کا جسم سوکھ گیا۔ رنگ سیاہ پڑ گیا اور آنکھیں باہر نکل آئیں۔ وحشت کے مارے کوئی اس کے قریب نہ جاتا۔ اسی عبرتناک اور وحشت انگیز کیفیت میں یکم ستمبر 1985ء کو پرلوک سدھار گیا۔ شخصے کہ سوئے جہنم روانہ شد

ڈاکٹر عبدالسلام

شیخ سعدیؒ نے کہا تھا ”وہ دشمن جو بظاہر دوست ہو، اس کے دانتوں کا زخم بہت گہرا ہوتا ہے۔“ یہ مقولہ نوبیل انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام پر پوری طرح صادق آتا ہے جس نے دوستی کی آڑ میں پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اُسے 10 دسمبر 1979ء کو نوبیل پرائز ملا۔ چونکہ قادیانیت مخبروں اور غداروں کا سیاسی گروہ ہے، لہٰذا اس کی سرپرستی کرتے ہوئے سامراج نے ان کے ایک فرد کو نوبیل پرائز دیا۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ ایک رشوت ہے جو یہودیوں نے قادیانیت کو اپنے مفادات کے حصول کے لیے دی۔

ڈاکٹر عبدالسلام 1992ء میں اٹلی میں مقیم تھا۔ اس وقت ان کی عمر 65 سال تھی۔ جولائی میں اسے ایک نامعلوم بیماری نے آ گھیرا جس کی وجہ سے وہ چلنے پھرنے سے قطعی طور پر معذور ہو گیا۔ ابتدائی رپورٹوں کے مطابق اس پر فالج کا حملہ ہوا تھا۔ وہ صرف وہیل چیئر کے ذریعے ہی حرکت کر سکتا تھا۔ بعد ازاں ان پر فالج کا ایک اور شدید حملہ ہوا جس سے وہ بے حد علیل ہو گیا۔ اسے اٹلی کے ایک بڑے ہسپتال میں داخل کروایا گیا جہاں ماہر ڈاکٹروں کی نگرانی میں اس کا علاج شروع ہوا۔ ان کے مختلف ٹیسٹ کیے گئے جن سے پتہ چلا کہ وہ ایک نہایت پیچیدہ بیماری Progressive Supranuclear Palsy (PSP) کا شکار ہو گیا ہے۔

”پروگریسیو سپرانیوکلیر پالسی“ ایک پُراسرار اور خطرناک فالج کی شکل ہے، جس میں

مریض اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے اور پاگلوں جیسی حرکات کرتا رہتا ہے۔ ماہرین کے مطابق چونکہ یہ ایک نئی بیماری متعارف ہوئی ہے، جس کا مستقبل قریب میں علاج ممکن نہیں ہے۔ بعض لوگ اسے خدائی عذاب سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس خطرناک بیماری کے باعث ڈاکٹر عبدالسلام کی یادداشت بالکل ختم ہوگئی۔ وہ جو کچھ کہتا، کچھ سمجھ نہ آتی۔ اس بیماری کی آخری وقت تک تشخیص نہ ہوسکی۔ ماہرین کے مطابق اس بیماری کا شکار مریض تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا ہے اور کسی دوائی سے افاقہ نہیں ہوتا۔

اٹلی کے ہسپتال میں ڈاکٹر عبدالسلام کی حالت زیادہ خراب ہو جانے کے پیش نظر اسے لندن (برطانیہ) منتقل کر دیا گیا جہاں دنیا کے بہترین ڈاکٹروں کے زیرنگرانی اس کا علاج ہوا مگر کوئی افاقہ نہ ہوسکا۔ اس کی حالت دن بدن بگڑتی چلی گئی۔ اس کا چہرہ بری طرح بگڑ گیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا جیسے اس کے بدن سے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام سسک سسک کر مر رہا تھا۔ تکلیف اور درد کی وجہ سے اس کی ہذیانی چیخیں دور دور تک سنائی دیتیں۔

زندگی اور موت کی کشمکش بلکہ عذاب میں مبتلا رہنے کے بعد بالآخر ڈاکٹر عبدالسلام 21 نومبر 1996ء کو جہنم واصل ہوا۔ ڈاکٹروں نے اس کی موت کی تصدیق کی۔ اس کی گردن ایک طرف لڑھک گئی تھی۔ اس کی آنکھیں خوفناک حد تک باہر آ گئی تھیں۔ اور زبان دانتوں کے درمیان لٹک رہی تھی۔ جس نے بھی اس کا چہرہ دیکھا، لرز کر رہ گیا اور توبہ توبہ کرتے پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ ایلومینیم کے ایک مضبوط تابوت میں اس کی لاش محفوظ کر کے 25 نومبر 1996ء کو ربوہ لائی گئی۔

مبارکہ بیگم

مبارکہ بیگم 2 مارچ 1897ء کو مرزا قادیانی کے ہاں قادیان میں پیدا ہوئی۔ 1960ء میں مبارکہ بیگم بڑھاپے میں قدم رکھ چکی تھی۔ ان دنوں لاہور میں شملہ پہاڑی کے نزدیک کوٹھی نمبر 5 پام ویو میں رہائش پذیر تھی۔ مثانے میں سوزش اور درد کی وجہ سے اسے پیشاب کرنے میں شدید تکلیف ہوتی جس کی وجہ سے اکثر کئی گھنٹے بے ہوش رہتی۔ بعدازاں اس کے گردے خراب ہوگئے جس کی وجہ سے اسے شدید بخار رہتا جو مہینوں نہ اُترتا۔ جانوروں کی طرح غوں غوں کرتی جس کی کچھ سمجھ نہ آتی۔ دراصل وہ جلق کی عادی ہوگئی تھی۔ کمزوری کی وجہ سے رخساروں کی ہڈیاں نکل آتی ہیں۔ آنکھیں اندر کو دھنس جاتی ہیں۔ ان کے گرد نیلے حلقے پڑ جاتے ہیں۔ چہرہ پر ہوائیاں اُڑنے لگتی ہیں۔ دولت مندی، خوشحالی اور فارغ البالی کے باوجود مبارکہ کو یقین ہوگیا تھا کہ موت اسے بتدریج اپنی آغوش میں کھینچ رہی ہے۔ اس ڈر سے اس پر ہر وقت خوف، مایوسی اور گھبراہٹ طاری رہتی۔ بات کرتی تو ہاتھ پاؤں پھول جاتے، منہ سے ہر وقت پانی بہتا رہتا۔ اس کے نتیجہ میں

وہ بے خوابی، واہمہ، بیزاری، اور دوسری ذہنی الجھنوں کا شکار ہوگئی۔ مسلسل نیند نہ آنے کی وجہ سے اس کی حالت پاگلوں جیسی ہوگئی۔ وہ شدید اعصابی درد کے علاوہ بے خوابی کے مرض میں بھی مبتلا تھی۔ ماہر ڈاکٹروں کی ٹیم اس کا علاج کر رہی تھی۔ ڈاکٹروں نے نیند نہ آنے کا سبب دماغی خشکی قرار دیا۔ بے حد علاج معالجہ کے باوجود اسے نیند نہ آتی۔ ڈاکٹر ہر طرح کی خواب آور گولیاں تجویز کر کے تھک گئے لیکن اس کی دماغی حالت وہی رہی۔ اس اعصاب شکن بیماری کے نتیجہ میں اس کا سکون برباد ہوگیا تھا۔ وہ ذرا سی بات پر طیش میں آ جاتی۔ 1977ء کے شروع میں وہ استسقاء کی بیماری میں مبتلا ہوگئی۔ آہستہ آہستہ اس کا جسم گلنا سڑنا شروع ہوگیا۔ طویل عذابی کیفیت کے بعد بالآخر مبارکہ بیگم 22 اور 23 مئی 1977ء کی درمیانی شب بارہ بجے اپنے چھوٹے بیٹے مسعود احمد خاں کی کوٹھی میں جہنم واصل ہوگئی۔ بعد از مرگ اس کی لاش پھول کر بے حد موٹی ہوگئی تھی۔ اس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں اس کے باطن کی تمام تر خباثت کچھ یوں نقش ہوگئی تھی کہ جس نے بھی یہ عبرتناک انجام اور منظر دیکھا، کانپ کر رہ گیا۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

مرزا بشیر احمد ایم اے

مرزا بشیر احمد ایم اے 20 اپریل 1893ء کو قادیان میں پیدا ہوا۔ مرزا قادیانی نے اسے ''قصرِ احمدیت'' کی بنیاد اور ''قمرالانبیاء'' قرار دیا تھا۔ اس نے ابتدائی تعلیم قادیاں میں حاصل کی۔ 1916ء میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں مدرسہ احمدیہ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول میں بطور استاد اور افسرِ مدرسہ مقرر ہوا۔ پھر ریویو آف ریلیجنز اور روزنامہ الفضل میں ادارت کے فرائض بھی کچھ عرصہ سرانجام دیئے۔ یہ وہی بدبخت ہے جس نے اپنی کتاب ''کلمۃ الفصل'' میں اپنے باپ مرزا قادیانی کو ''محمد رسول اللہ'' کا درجہ دیا اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں بے حد توہین آمیز کلمات کہے۔ (نعوذ باللہ)

1955ء میں مرزا بشیر احمد سوزاک (Gonorrhoea) کے خطرناک مرض کا شکار ہوا۔ اس کے پیشاب کی نالی میں زبردست سوجن ہوگئی تھی جس کی وجہ سے سرخی کے ساتھ پیپ نکلنا شروع ہوگئی۔ چند ماہ اس دردناک عذاب میں مبتلا رہنے کے بعد سوزاک، آتشک میں تبدیل ہوگئی۔ اس کے غدود بڑھ گئے۔ اس بیماری کی تشویش، ذہنی کوفت اور احساس گناہ کی وجہ سے اس کا ذہن متاثر ہوگیا تھا۔ بعد ازاں ہڈیوں میں درد، بصارت میں کمی، ناقابل برداشت خارش اور مرگی کے دوروں نے اسے نڈھال کر دیا۔ ماہر ڈاکٹروں کے زیر نگرانی علاج کروانے کے باوجود اس کی تکلیف دن بدن بڑھ رہی تھی۔ پھر اسے علاج کے لیے لاہور لایا گیا۔ اس کے پورے جسم پر چنبل

نکل آئی جس کی وجہ سے وہ بے تحاشا خارش کرتا اور درد سے تڑپتا۔اس کا دکھتا جسم پھوڑا بن گیا تھا، اس کی رگ رگ میں درد تیز نشتر کی طرح اترتا چلا جا رہا تھا۔اسے اپنے جسم میں خون کی جگہ درد کی لہریں دورہ کرتی محسوس ہوتی تھیں۔اسے معلوم تھا کہ وہ گناہوں کی دلدل میں کتنا گہرا اتر گیا تھا۔ اسے بے ہوشی کے ٹیکے انجکشن لگائے جاتے مگر نیند سے بیدار ہونے پر پھر اس کے وجود میں درد لہر بن کر دوڑنے لگتا۔ان بے رحم لمحات میں جب درد سے اس کے بدن کی نس نس ٹوٹ رہی ہوتی، وہ پاگلوں کی طرح ننگی گالیوں کی گردان شروع کر دیتا۔وہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتا۔آتشک اور سوزاک کی وجہ سے وہ جسمانی اور ذہنی اعتبار سے ناکارہ ہو چکا تھا۔ڈاکٹروں نے اس کی بیماری کے متعلق حق گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا تھا کہ یہ بیماریاں اس کے نجی گناہوں کا نتیجہ ہے۔

بیماریوں کے ایک طویل عذاب کے بعد بالآخر 2 ستمبر 1963ء کو مرزا بشیر احمد اپنے بیٹے ایم ایم احمد کی رہائش گاہ 23- ریس کورس روڈ، لاہور میں نہایت عبرتناک حالت میں مرا۔اس کی بیماری اور موت کی حالت دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ وہ بہت ہی خوفناک اور دل ہلا دینے والا منظر تھا۔مرنے سے پہلے اس کے جسم سے سخت تعفن پیدا ہوگیا تھا اور موت کے بعد تو یہ حالت تھی کہ کوئی شخص اسے غسل دینے کو تیار نہ ہوتا تھا۔اس کے سگے بھائی اور قادیانی خلیفہ مرزا محمود نے خانگی اختلافات کے باعث اس کا جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا تھا۔بالآخر 3 ستمبر کو مرزا ناصر نے بادل نخواستہ اس کا جنازہ پڑھایا جس میں صرف 150 کے قریب افراد نے شرکت کی۔افسوس کہ سامان عبرت بہت ہے اور عبرت پذیری بہت کم۔

ایم ایم احمد

آنجہانی مرزا قادیانی کا پوتا اور مرزا بشیر احمد ایم اے کا بیٹا ایم ایم احمد 28 فروری 1913ء کو قادیان میں پیدا ہوا۔ابتدائی تعلیم قادیان میں حاصل کی۔گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے 1933ء میں انگلستان چلا گیا۔وہ ایک عرصہ تک سیالکوٹ اور سرگودھا میں ڈپٹی کمشنر رہا۔پھر مغربی پاکستان میں فنانس سیکرٹری اور ایڈیشنل چیف سیکرٹری رہا۔صدر پاکستان جنرل ایوب خان کے دور میں ڈپٹی چیئرمین پلاننگ رہا۔جنرل یحییٰ خاں کے دور میں صدر کے اقتصادی امور کے مشیر کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔یہ عہدہ وفاقی وزیر کے برابر تھا۔1972ء میں ورلڈ بنک سے منسلک ہوگیا۔ورلڈ بنک کے ڈائریکٹر اور آئی ایم ایف کے سٹاف میں بطور ایگزیکٹو سیکرٹری تعینات رہا۔یہاں سے 1984ء میں ریٹائرڈ ہوا۔1889ء میں امریکہ میں قادیانی جماعت کا امیر مقرر ہوا۔

ایم ایم احمد امریکی ریاست ورجینیا کے علاقے پوٹا مک میں رہتا تھا۔1998ء میں اس کے شکم پر ایک پھوڑا نکلا جس نے چند ہی دنوں میں نہایت خطرناک شکل اختیار کر لی۔ اس پھوڑے نے پیٹ کے اندر آنتوں کو بھی متاثر کیا جس سے اسے خون کے دست آنے شروع ہو گئے۔ اس کا کمرہ اس کی بیماری کی وجہ سے تعفن اور سخت بدبو سے بھر جاتا اور ہر آنے جانے والے کو کراہت محسوس ہوتی اور طبیعت پر ایک ناگواری سی طاری ہو جاتی۔ ایم ایم احمد کی یہ حالت تقریباً ایک سال تک رہی۔ فروری 2002ء میں اس کے ہاتھوں اور پاؤں پر سوجن ظاہر ہونا شروع ہو گئی۔ اس سے اس کے ہونٹ پھٹنے شروع ہو گئے۔ اور مسوڑوں میں شدید درد ہونے لگا۔ اسی دوران اس کے خصیوں پر دانے نکلنے شروع ہو گئے جس سے بے حد خارش ہوتی۔ خارش کرنے سے یہ دانے زخم کی صورت اختیار کر گئے۔ 10 مارچ کو ایم ایم احمد کو واشنگٹن کے ہسپتال میں داخل کروایا گیا جہاں اس کے مختلف ٹیسٹ لیے گئے۔ رپورٹس کے مطابق اسے آتشک کا خطرناک مرض لاحق ہو گیا تھا۔ بعد ازاں اس کا VDRL ٹیسٹ ہوا جس سے یہ بات قطعی ثابت ہو گئی کہ اسے آتشک کی بیماری ہے۔ ہسپتال میں اس کا کئی ماہ علاج ہوتا رہا لیکن اس کی حالت دن بدن بگڑتی چلی گئی۔ وہ پہلے ہی ذیابیطس کا مریض تھا، آتشک کے مرض نے اسے مزید کمزور کر دیا۔ وہ جو خوراک کھاتا، اسے قے کر دیتا۔ اسی حالت میں اس کے گلے کی نالی بند ہو گئی اور معدہ میں خوراک جانا رک گئی۔ پھر معدہ میں خوراک نلکی کے ذریعے پہنچائی جاتی رہی۔ لیکن اس کی طبیعت مزید خراب ہوتی گئی۔ ضعف اس قدر بڑھ گیا کہ وہ ایک لفظ نہ کہہ سکتا تھا۔ جولائی 2002ء کے پہلے ہفتہ میں اس کی نبض رک رک کر چلنے لگی۔ سردی کے باوجود چہرے پر ہر وقت پسینہ رہتا۔ مسلسل بخار کی وجہ سے اس کے چہرے کا رنگ زردی مائل ہو گیا تھا۔ حالت کمزور تر ہوتی چلی گئی۔ 20 جولائی 2002ء کو اسے دل کا دورہ پڑا۔ ڈاکٹروں نے فوری طور پر اسے بجلی کے جھٹکے دیئے، جس سے اس کی نبض بہتر ہو گئی۔ لیکن چند گھنٹوں بعد وہ کومے میں چلا گیا۔ 23 جولائی کو صبح اسے خونی دست آنے شروع ہو گئے اور اسی حالت میں 9 بجے رات واشنگٹن امریکہ میں جہنم واصل ہوا۔ 28 جولائی 12 بجے رات اس کی لاش کا تابوت پی آئی اے کی فلائیٹ پر لاہور لایا گیا۔ قادیانی عبادت گاہ گڑھی شاہو میں اس کی آخری رسومات ادا کی گئیں۔ 30 جولائی کو اسے ربوہ کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

مولوی عبدالکریم سیالکوٹی

جس شخص نے مسیلمہ پنجاب مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کی ترقی و ترویج کے لیے دن رات ایک کیا، اس شخص کا نام عبدالکریم تھا۔ وہ 1858ء میں سیالکوٹ کے کشمیری محلّہ میں پیدا ہوا۔

6 مارچ 1888ء میں اس کی مرزا قادیانی سے پہلی ملاقات ہوئی جس میں ایک دوسرے کا تفصیلاً تعارف ہوا۔ مرزا قادیانی مولوی عبدالکریم کی چرب زبانی سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے مولوی عبدالکریم سے درخواست کی کہ وہ تالیفات کے سلسلہ میں اس کی مدد کرے اور مستقل طور پر قادیان آجائے۔ جہاں اسے تمام سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ چنانچہ مولوی عبدالکریم مستقل طور پر قادیان چلا آیا۔ جہاں اس نے مرزا قادیانی کے مکان کے ایک حصہ میں رہائش اختیار کرلی جو مسجد مبارک کے اوپر کے صحن کے ساتھ ملحق تھا۔ اس مکان کے نیچے خود مرزا قادیانی کا رہائشی کمرہ تھا۔ عبدالکریم، قادیان میں مرزا قادیانی کی نبوت و رسالت کا اعلان کرتا اور بعض دفعہ سرکار دو عالم حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخانہ جملے ادا کرتا۔ وہ بڑا جوشیلا مقرر تھا۔ اپنے جمعہ کے خطبات میں مرزا قادیانی کو نبی اور رسول کہتا۔ قرآن وسنت کا مذاق اڑاتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسی عظیم الشان شخصیت اور ان کے معجزات کا تمسخر اڑاتا اور مسلمانوں کو برا بھلا کہتا۔

20 اگست 1905ء کو الماری کے تختے سے سر کو چوٹ لگنے سے بھی اس کا بہت سا خون نکل گیا۔ گیا۔ حالانکہ اسے دوران سر کی بیماری کی بھی مستقل شکایت تھی۔ 4 ستمبر 1905ء کو ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ نے مولوی عبدالکریم کو کلوروفارم سنگھا کر اس کا بڑا آپریشن کیا جس سے اس کے ہاتھ پاؤں سرد اور نبض تقریباً ساقط ہوگئی۔ اس خطرناک صورتحال میں اس کے پھوڑے کا آپریشن کیا گیا۔ بعد ازاں ہوش میں آنے پر شدید درد، کرب اور تکلیف کی وجہ سے اس کی حالت غیر ہوگئی۔ اس کی ہذیانی چیخیں دور دور تک سنی جاتی تھیں۔ وہ شدید درد سے بلند آواز میں روتا اور چیختا اور پکارتا مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آتا۔

مرزا قادیانی آخر وقت تک عبدالکریم کو ملنے نہ گیا۔ دراصل مرزا قادیانی مولوی عبدالکریم کو اس لیے نہ ملتا تھا کہ کہیں وہ بھی اس موذی اور خطرناک مرض کا شکار نہ ہو جائے۔ اسی خوف اور ڈر کی وجہ سے مرزا اپنے کمرہ سے نہ نکلتا۔ مولوی عبدالکریم کا پھوڑا پورے جسم پر پھیلتے پھیلتے کوڑھ اور جذام کی شکل اختیار کر گیا۔ وہ پورے جسم پر بے تحاشا خارش کرتا جس سے زخم کے مزید نشان بن جاتے، اور پھر کچھ دیر بعد ان زخموں میں پیپ بھر جاتی۔ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں پیپ کے پھوڑے نہ تھے۔ وہ چیختا چلاتا اور مدد کے لیے پکارتا مگر اس کی آواز کسی پر اثر نہ کرتی۔ کسی کو ہمت نہ پڑتی کہ اس کی مدد کے لیے آگے بڑھتا۔ حالانکہ وہاں کئی لوگ موجود رہتے مگر ان کے لیے یہ روزمرہ کا معمول تھا۔ وہ تو ہر روز ایسی آوازیں سننے کے عادی تھے۔ اور اس کے قریب جا کر اس کی مدد کرنے کا مطلب تھا، خود کو عذاب میں ڈالنا جو انہیں ہرگز قبول نہ تھا۔

یکم اکتوبر 1905ء کو اسے زبردست پیچش شروع ہوگئے جس کی وجہ سے اس پر کئی مرتبہ غشی کے دورے پڑے، نبض نامعلوم سی ہوتی اور وہ پھوڑوں کی درد سے چیخیں مارتا۔ جب مرزا قادیانی کو پتہ چلا کہ اب مولوی عبدالکریم کے زندہ رہنے کی کوئی امید نہیں ہے اور وہ آج کل کا مہمان ہے تو اس نے فوراً اپنے مریدوں سے کہا کہ مجھے دو الہام ہوئے ہیں پہلا الہام: ''اس نے اچھا ہونا ہی نہ تھا'' اور دوسرا الہام: ''کفن میں لپیٹا گیا'' مرزا قادیانی نے اعلان کیا کہ یہ الہامات مولوی عبدالکریم کی موت کے بارے میں ہیں۔ اسی دوران مولوی عبدالکریم ذات الجنب کی بیماری میں مبتلا ہوگیا جس سے اس کا بخار 105 درجہ ہوگیا۔ یہ عبرتناک حالت کئی روز رہی۔ آخر 11 اکتوبر 1905ء کو بدھ کے دن اڑھائی بجے دوپہر کے قریب 45 سال کی عمر میں، مولوی عبدالکریم جہنم واصل ہوگیا۔ کوڑھ کی وجہ سے اس کا چہرہ بری طرح مسخ ہوکر رہ گیا۔ اس کی لاش سے سرانڈ آتی تھی، کوئی شخص قریب جانا گوارا نہ کرتا، جو شخص اس کی لاش دیکھتا، کانپ کر رہ جاتا۔ خود مرزا قادیانی نے مولوی عبدالکریم کی بیماری کے دوران ملاقات کی اور نہ ہی اس کے مرنے کے بعد اس کا چہرہ دیکھا، کیونکہ اس کی شکل انتہائی مکروہ اور کریہہ جانور سے بدل گئی تھی۔ مرزا قادیانی کی ہدایت کے مطابق: 12 اکتوبر 1905ء کو اس کی لاش ایک تابوت میں ڈال کر مقامی قبرستان میں دفن کی گئی۔ بعد ازاں 27 دسمبر 1905ء کو یہ تابوت نام نہاد ''قادیانی بہشتی مقبرہ'' میں منتقل کیا گیا۔

قاضی ظہور الدین اکمل

قادیانی جماعت کا مشہور شاعر قاضی ظہور الدین اکمل 25 مارچ 1881ء کو ضلع گجرات کے ایک گاؤں گولیکی میں پیدا ہوا۔ مشن ہائی سکول گجرات میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ بچپن میں اسے چیچک کا مرض لاحق ہوا تھا جس کے دانوں کے نشانات سے اس کا چہرہ بُری طرح بگڑ گیا تھا۔ 1900ء کے بعد 9 برس تک وہ تپ دق اور Septicaemia کے مرض کا شکار ہوا جس سے اس کا بایاں بازو بری طرح مفلوج ہوگیا۔ 22 سال کی عمر میں وہ خوفناک حد تک مراق کا شکار رہا۔ وہ مخصوص حالات میں جذباتی کیفیت کا شکار ہو جاتا جس سے اس کا چہرہ بگڑ جاتا اور ہونٹ سکڑ جاتے۔ بعد میں اسے مرگی کے دورے پڑنے شروع ہوگئے۔ ایسے ہی ایک دورے میں اس کی بائیں آنکھ بری طرح متاثر ہوئی اور ترچھی دکھائی دینے لگی۔ دوروں کے دوران وہ حواس باختہ ہوکر عجیب وغریب حرکتیں کرتا اور اس کے منہ سے جھاگ نکلنی شروع ہو جاتی۔ ماہر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے اس کا کئی ماہ علاج کیا جس سے وہ قدرے ٹھیک ہوگیا۔

1938ء میں بندش پیشاب کی وجہ سے اس کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ اس

شرمناک بیماری کے عمل کے نتیجہ میں اس کی ریڑھ کی ہڈی بیٹھ گئی تھی جس کی وجہ سے اس کی دونوں ٹانگیں بالکل ناکارہ ہوگئی تھیں۔ اس کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ وہ لاعلاج ہوگیا۔ اسے میوہسپتال کے البرٹ وکٹر وارڈ میں داخل کرایا گیا جہاں کئی مہینے اس کا علاج ہوتا رہا۔ بعدازاں وہ بغیر صحت یابی کے لاہور ہی میں واقع اپنے گھر منتقل ہوگیا۔ وہ اپنے نحیف و لاغر جسم کو لیے ہوئے آہستہ آہستہ موت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لوگ اسے دیکھ کر لرز جاتے۔ اسی حالت میں 17 ستمبر 1956ء میں وہ ربوہ چلا گیا جہاں دارالصدر شرقی کے ایک کوارٹر میں فروکش رہا۔ بخار اور کھانسی کی وجہ سے وہ سوکھ کر کانٹا ہوگیا تھا۔ اتنا کمزور ہوگیا تھا کہ آواز بھی نہ نکلتی تھی۔ اس کے ہاتھوں پر ہر وقت سوجن رہتی۔

1962ء میں اسے منہ کا کینسر ہوگیا۔ ہر وقت تھوکتا جس میں خون کی آمیزش ہوتی، صحت پہلے ہی کمزور تھی، اس لیے جسم میں قوت مدافعت نہ رہی۔ وہ ایک چارپائی پر پرانا لحاف اوڑھے پڑا رہتا۔ بڑی بڑی داڑھی اور بڑھے ہوئے سر کے بالوں پر ایک رومال بندھا ہوتا۔ پیلا چہرہ اور پھٹی پھٹی آنکھیں، لحاف ہلتا تو بدبو کا ایک بھبھکا آتا۔ چارپائی پر اور لحاف کے اندر بے شمار کیڑے رینگتے پھرتے۔ اس کی زندگی اجیرن ہوگئی تھی۔ وہ اپنی اس موذی مرض سے اس قدر تنگ آچکا تھا کہ اس نے کئی دفعہ خودکشی کا سوچا۔ اس ڈیپریشن میں اس کا ذہنی توازن خراب ہوگیا اور بالآخر نیم پاگل ہوگیا۔ آخری وقت میں اس پر اسہال کا شدید حملہ ہوا جس سے جانبر نہ ہوسکا۔ آخر کار طویل اور بے حد تکلیف دہ علالت کے بعد 27 ستمبر 1966ء کو صبح 6 بجے بے یار و مددگار نہایت عبرتناک موت سے ہمکنار ہوا۔

مفتی محمد صادق

مفتی صادق قادیانی 1872ء میں بھیرہ شہر کے محلّہ مفتیاں میں پیدا ہوا۔ وہ حکیم نور الدین کے قریبی عزیزوں میں سے تھا۔ کچھ عرصہ جموں کشمیر میں حکیم نورالدین کے پاس رہا۔ پھر اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ گیٹ لاہور میں مدرس کے طور پر ملازمت کی۔ بعدازاں اکاؤنٹنٹ جنرل کے دفتر میں ملازم ہوگیا۔ حکیم نورالدین کی تبلیغ سے وہ 31 جنوری 1891ء کو مرزا قادیانی سے بیعت ہوا۔ پھر 1900ء میں لاہور چھوڑ کر مستقل طور پر قادیان چلا گیا۔ وہاں ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر بھی رہا۔ وہ مرزا قادیانی کے نام نہاد ''صحابہ'' میں شامل تھا۔ مرزا قادیانی نے اپنی کتاب انجام آتھم میں درج اپنے ''صحابہ'' کی فہرست میں اس کا نام 65 ویں نمبر پر درج کیا ہے۔ وہ ایک عرصہ مرزا محمود کا پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہا۔ بعدازاں ناظر امور خارجہ کے طور پر بھی کام کرتا رہا۔ وہ کئی کتابوں

کا مصنف تھا۔اس کی ایک کتاب ''ذکر حبیب'' قادیانی حلقوں میں بے حد مشہور اور عام ہوئی۔اس کتاب میں درج بعض روایات نہایت دلچسپ اور مضحکہ خیز ہیں۔

اگست 1940ء میں مفتی صادق کو کئی ماہ تک بندش پیشاب کی تکلیف رہی۔ ماہر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم اس کا علاج کرتی رہی۔ بعد ازاں مسلسل بخار اور کالی کھانسی کا عارضہ لاحق ہوگیا۔اس حالت میں کبھی قدرے افاقہ ہو جاتا اور کبھی پھر حالت خراب ہو جاتی۔ جنوری 1946ء میں غدۂ قدامیہ کی سوزش بڑھ جانے سے اس کی طبیعت بے حد تشویشناک ہوگئی۔ کئی ماہ تک پیشاب کے راستے خون آتا رہا۔ پھر مثانہ میں زخم ہوگئے۔ پیشاب کا ایک قطرہ بھی پیدا ہوتا تو سوزش شروع ہو جاتی۔ رات بھر پانچ پانچ، دس دس منٹ کے وقفہ سے سوزش کی تکلیف سے دورے پڑتے جس سے وہ بے ہوش ہو جاتا۔ ڈاکٹر میر اسماعیل نے اس کے لیے پنسلین کے ٹیکے تجویز کیے۔ بعد ازاں میوہسپتال کے البرٹ وارڈ میں ڈاکٹر کرنل بھروچہ اور ڈاکٹر حشمت اللہ نے ایک آپریشن کے ذریعے شگاف کر کے مثانہ کھولا اور جریان خون بند کیا گیا۔ (روزنامہ الفضل قادیان 9، 11 جنوری 1946ء)

امریکہ میں مسلسل شراب نوشی کی وجہ سے 1950ء میں اسے پھیپھڑوں کی شدید تکلیف شروع ہوگئی تھی۔ اس سے بعض اوقات اس کا سانس بھی رک جاتا تھا۔اسی دوران اسے ٹی بی ہوگئی۔ علاج کے باوجود بیماری بڑھتی چلی گئی۔ ٹی بی پہلا درجہ طے کر کے دوسرے بلکہ تیسرے درجہ تک جا پہنچی۔ ڈاکٹری رپورٹس کے مطابق اس کے پھیپھڑوں میں خون چلا گیا تھا اور ٹی بی نے اس کے پھیپھڑے تقریباً ناکارہ کر دیئے تھے۔ اس کی موذی بیماری خصوصاً کھانسی سے اہل خانہ اور عزیز و اقارب کراہت محسوس کرتے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ڈاکٹر بھی کنی کترانے لگے۔اس کا کمرہ اور کھانے پینے کے برتن بھی الگ کر دیئے گئے۔ لوگوں کو اس کے پاس زیادہ ٹھہرنے اور باتیں کرنے سے روک دیا گیا۔ قریبی عزیزوں سے کہا گیا کہ مجبوری اور ضرورت کے سوا زیادہ قریب نہ رہیں۔ اس مرض اور دیگر بیماریوں کے علاوہ ایسے حالات سے اس کی طبیعت پر گہرا اثر پڑا جو نہایت تکلیف دہ، دل شکن اور روح فرسا تھا۔ وہ بستر مرگ پر زندہ درگور ہوگیا تھا۔ اسے صحت کی نسبت موت زیادہ قریب نظر آرہی تھی۔ مرض کی شدت و غلبہ سے وہ اس قدر لاغر اور کمزور ہوگیا تھا کہ رفع حاجت تو درکنار پہلو بدلنے سے بھی عاجز آچکا تھا۔ ربوہ میں اس کی بیماری اور حالت کا عام چرچا ہوگیا تھا۔ 23 ستمبر 1956ء کو رات بارہ بجے کے قریب اسے یکدم تکلیف شروع ہوئی۔ اس نے بے تحاشا چیخنا شروع کر دیا کہ میرے سینے میں آگ لگ گئی ہے۔ اس کے بیٹوں عبدالسلام اور منظور نے اس کے تمام کپڑے اتار دیئے۔ ڈاکٹروں نے فوری طور پر انجکشن لگائے جس سے کچھ افاقہ نہ ہوا۔ اگلے روز دوپہر دو بجے پھر سر اور سینہ میں شدید تکلیف ہوئی جس سے بہت کربناک صورتحال پیدا ہوگئی۔

دوائی پلانے کی کوشش کی گئی مگر اس نے قے کر دی۔ یہ حالت کئی روز تک رہی۔ اکتوبر 1956ء میں اس پر فالج کا حملہ ہوا جس سے اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا۔ تقریباً چار ماہ تک اس حالت میں رہ کر وہ 13 جنوری 1957ء کو نہایت عبرتناک حالت میں جہنم واصل ہوا۔

امتہ الحفیظ بیگم

آنجہانی مرزا قادیانی کی چھوٹی بیٹی امتہ الحفیظ 25 جون 1904ء کو پیدا ہوئی۔ 11 سال کی عمر میں 7 جون 1915ء کو محض بے پناہ دولت اور ہزاروں ایکڑ زمین ہتھیانے کے چکر میں عبداللہ نامی ایک عیاش جاگیردار سے اس کا نکاح ہوا، جبکہ 22 فروری 1917ء کو اس کی باقاعدہ رخصتی ہوئی۔ سیانے کہتے ہیں کہ دنیا کی عیش و عشرت مُردے کی یاد کی طرح دیر تک نہیں رہتی۔ امتہ الحفیظ جس نے ساری زندگی لہو ولعب میں گزاری، بالآخر قدرت کی پکڑ میں آ گئی۔ وہ اختناق الرحم کی بیماری میں مبتلا ہوگئی تھی۔ جن عورتوں کو جلق کی عادت ہو، انہیں یہ مرض لاحق ہوتا ہے۔ یہ مرض مرگی کی مانند دورہ سے ہوتا ہے جس کو ہسٹیریا اور باؤ گولہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے پیٹ سے ایک گولا سا اٹھ کر اوپر کو چڑھتا اور گلے میں جا اٹکتا جسے وہ بار بار نگلنے کی کوشش کرتی۔ اس سے اس کا دم گھٹنے لگتا۔ دل کی دھڑکن مزید بڑھ جاتی اور یکا یک چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتی۔ جب ہوش میں آتی تو ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگتے اور سرد ہو جاتے۔ امتہ الحفیظ دورے کی حالت میں ایسی ایسی واہیات بکتی کہ خدا کی پناہ۔ وہ شدت درد سے اپنے سر کے بال نوچتی اور دیوار کے ساتھ ٹکریں مارتی۔ جب دورہ کم ہو جاتا تو ہانپنے لگتی۔ بیماری نے اس کا دل و دماغ ٹھکانے نہیں رہنے دیا۔ ڈاکٹروں کے مطابق اس کے رحم میں خون جم گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بن گئے تھے جس سے اس کے چہرے سے وحشت ٹپکتی تھی۔ اس کے بھائی مرزا محمود نے اگست 1962ء میں اسے علاج کے لیے سوئٹزرلینڈ بھجوایا۔ امتہ الحفیظ طویل علاج کے باوجود وہاں بھی صحت یاب نہ ہوسکی۔ 1960ء میں وہ معدے کے کینسر میں مبتلا ہوگئی جس کی وجہ سے وہ بہت کم کھاتی اور اکثر قے کر دیتی۔ بالآخر وحشت واضطراب کے عالم میں 6 مئی 1987ء کو ماڈل ٹاؤن لاہور میں جہنم واصل ہوئی۔

محمد علی لاہوری

مولوی محمد علی لاہوری دسمبر 1874ء کو ریاست کپورتھلہ کے موضع مرار میں پیدا ہوا۔ 1897ء میں وہ خواجہ کمال الدین کے ساتھ پہلی مرتبہ قادیان گیا اور مرزا قادیانی کی بیعت کی۔ انہی دنوں وہ مستقل طور پر قادیان چلا گیا جہاں اس نے مرزا قادیانی کے گھر کی تیسری منزل پر رہائش اختیار کی۔ مولوی محمد علی نے یہاں سے رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی میں نکالنا شروع کیا

جو انگریزی دان طبقہ کو خصوصی طور پر بھجوایا جاتا۔ حکیم نورالدین کی موت پر قادیانی جماعت دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک گروہ نے محمد علی لاہوری کی جانشینی کی حمایت کی جبکہ دوسرے گروہ نے جو غالب اکثریت میں تھا، مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا محمود کو منتخب کرلیا۔ اس پر بہت جھگڑا ہوا۔ محمد علی لاہوری اپنے ساتھیوں سمیت لاہور آگیا جہاں اس نے ''انجمن اشاعت اسلام'' کے نام سے ایک جماعت بنالی جسے ''لاہوری جماعت'' کہا جاتا ہے۔ مرزا محمود سے اختلاف اور خلافت نہ ملنے کے بعد لاہوری جماعت نے اپنے عقائد ونظریات میں واضح تبدیلی کرلی۔ یہ لوگ مرزا قادیانی کو نبی اور رسول کے بجائے ایک مذہبی مصلح، مہدی اور مسیح موعود مانتے ہیں۔ عقائد کے لحاظ سے ان دونوں گروہوں میں کوئی فرق نہیں۔ حقیقت میں دونوں ایک ہی قینچی کے دو پھل ہیں۔ 1931ء میں مولوی محمد علی لاہوری کو ٹیوبرکل کی شدید تکلیف شروع ہوگئی، جو عرصہ 10 ماہ سے چلی آرہی تھی۔ اس دوران اس کا 8 پونڈ وزن کم ہوگیا۔ ضعف اس قدر بڑھ گیا کہ چلنا مشکل ہوگیا۔ اپریل 1938ء میں شدید بخار میں مبتلا رہنے لگا۔ مسلسل بخار نے تکلیف دہ صورت اختیار کرلی۔ کمزوری بہت بڑھ گئی۔ ضعف اس قدر ہوگیا کہ بات کرنا بھی دشوار ہوگیا۔ اسی دوران اسے ڈلہوزی شفٹ کردیا گیا جہاں سرجن ڈلہوزی، لاہور کے ڈاکٹر غلام محمد اور ڈاکٹر بشارت نے علاج شروع کیا۔ بخار کی صحیح تشخیص نہ ہوسکی اور ایک وقت ایسا آیا کہ معالج بھی مایوس ہوگئے۔ یہ صورت حال کم وبیش 6 ماہ رہی، اس دوران بخار کی شدت نے اسے اذیت ناک صورتحال سے دوچار کیا۔ ستمبر 1948ء میں وہ کوئٹہ میں مقیم تھا کہ اسے ایک بار پھر شدید بخار کا دورہ پڑا۔ جسم پر جگہ جگہ گلٹیاں بن گئیں جس سے سوجن اور ورم ہوگئے۔ حالت انتہائی تشویشناک ہوگئی۔ 15 اکتوبر 1948ء کو لاہور کے مشہور ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کو علاج کے لیے کوئٹہ بھیجا گیا۔ اس کے ہمراہ ڈاکٹر اللہ بخش، ڈاکٹر سعید احمد اور ڈاکٹر بشارت احمد بھی تھے۔ کرنل الٰہی بخش نے مفصل معائنہ کے بعد بتایا کہ پیپ کے زہر کا اثر تمام جسم میں سرایت کرچکا ہے۔ دونوں پھیپھڑوں کے زیریں حصے ماؤف اور قلب کی جھلی اور سینے کا اگلہ حصہ بے حد متاثر ہوچکے ہیں۔ علاوہ ازیں گردے میں بھی پیپ پڑ گئی ہے جس کی وجہ سے وہ کام کرنے سے فیل ہوچکے ہیں۔ گویا زہر تمام اعضائے رئیسہ پر اثر کررہا تھا۔ یہ سلسلہ 1950ء تک جاری رہا۔ 17 اور 18 ستمبر 1950ء کی درمیانی شب رات 12 بجے اسے دردِ دل (Coronory Thrombosis) کا سخت حملہ ہوا۔ ڈاکٹروں نے فوری طور پر ابتدائی طبی امداد دی۔ دوپہر کے بعد ایک اور خطرناک حملہ ہوا۔ اس وقت سے مارفیا کے ٹیکے لگنے شروع ہوگئے مگر اوپر تلے کوئی چار دفعہ حملے ہوئے اور آکسیجن بھی لگنی شروع ہوگئی۔ شدید بیماری کے باعث وہ کروٹ بھی نہ دل سکتا تھا۔ دیگر عوارض بھی اس کے ساتھ شروع ہوگئے۔ 28 ستمبر کی رات کو پھر دل کا دورہ پڑا جس سے

اس کی حالت دگرگوں ہوتی چلی گئی۔ یہ حالت تقریباً 6 ماہ سے زائد عرصے تک رہی۔ 5 اپریل 1951ء کو پھر بخار اور انفلوئنزا کا شدید حملہ ہوا۔ فوری طور پر ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش اور ڈاکٹر محمد یوسف کو بلایا گیا، جنہوں نے بھاری انجکشن لگائے اور کھانے کو ادویات دیں۔ مختلف ٹیسٹوں سے پتہ چلا کہ آنتوں میں زخم ہوگئے ہیں اور اس کے زہریلے اثرات (زہرباد) اندر ہی اندر پورے جسم میں سرایت کر گئے ہیں۔ اسی دوران اسے سردرد کے ساتھ گردن میں سخت اکڑاؤ آ گیا اور پھر مسلسل متلی شروع ہوگئی۔ تشخیص کے لیے ڈاکٹروں نے اس کے خون کو Culture کیا اور حرام مغز سے CSF نکال کر ٹیسٹ کے لیے لیبارٹری بھجوایا تو پتہ چلا کہ خون میں Polymorph اور WBC کی تعداد کافی زیادہ ہے جو مریض کے لیے بے حد خطرناک ہوسکتی ہے۔ اس کی دماغی حالت بگڑنے پر ڈاکٹروں نے اس کے حرام مغز میں کئی ایک ٹیکے لگائے گئے جس سے دماغ کی جھلیاں بے حد متاثر ہوئیں۔ اس سے اس کی حالت مزید خطرناک ہوئی۔ 13 اکتوبر 1951ء کی صبح اسے برین ہیمرج ہوا۔ ناک اور منہ سے بے تحاشا پیپ اور خون نکلا۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئیں اور اسی دن ساڑھے گیارہ بجے اس کی موت واقع ہوگئی۔

دیکھو انہیں جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

یہاں پر قادیانی نوازوں کا تذکرہ بھی بے حد ضروری ہے۔ یہ لوگ قادیانیوں سے بے پناہ آسائشیں اور مراعات (شراب و کباب، یورپی ممالک کے ویزے، نہایت پوش ایریاز میں لگژری کوٹھیاں اور نئے ماڈل کی گاڑیاں وغیرہ) کے بدلے ان کے سہولت کار کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ مختلف سرکاری محکموں میں چھپے ہوئے یہ قادیانی نواز افسران ایسی سازشیں کرتے ہیں جس سے مسلمانوں میں بے حد ہیجان اور غم وغصہ کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ کبھی تو وہ ختم نبوت کے پرامن جلوسوں پر فائرنگ کرواتے ہیں، کبھی قادیانیوں کو کسی ایسے اہم کمیشن وغیرہ میں شامل کرتے ہیں جو حساس ہونے کے ساتھ ساتھ ملک عزیز پاکستان کی بنیادی پالیسیاں طے کرتا ہے۔ کبھی مختلف اہم دستاویزات مثلاً پاسپورٹ، حج فارم وغیرہ سے ختم نبوت کا حلف نامہ حذف کردیتے ہیں۔ کبھی قادیانیوں کو حج پرمٹ اور کوٹہ الاٹ کرتے ہیں۔ کبھی تعلیمی نصاب سے عقیدہ ختم نبوت سے متعلقہ باب / مواد ختم کر دیا جاتا ہے۔ کبھی ڈش اور کیبل پر قادیانی چینل (MTA) کو دکھانے کے احکامات جاری کرتے ہیں۔ آئین اور قانون کی خلاف ورزی کے مرتکب ایسے لوگوں کو بے نقاب کر کے کیوں سزا نہیں دی جاتی؟ ہمارے خیال میں یہ لوگ قادیانیوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ یہ ان کے معاون بن کر اسلام کی نظریاتی سرحدوں پر حملہ آور ہوتے اور معاشرے میں Unrest پھیلاتے ہیں۔ تاریخ

گواہ ہے کہ ایسے قادیانی نوازوں کا انجام بے حد عبرتناک ہوا ہے۔ تحریک ختم نبوت کے قاتلوں میں ایک نام گورنر جنرل ملک غلام محمد کا بھی آتا ہے۔ ننگ ملت، ننگ دیں، ننگ وطن...... اس کا ذہنی توازن ٹھیک نہ تھا۔ وہ فالج اور ہائی بلڈ پریشر کا مریض تھا اور چلنے پھرنے سے بالکل معذور۔ فالج نے اس کی زبان اور چہرے کے حصے کو خاصا متاثر کیا تھا جس کی وجہ سے اس کی گفتگو کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ وہ غصے میں چیخ چیخ کر اول فول بکتا تو منہ سے جھاگ نکلنے لگتی۔ پھر تھوتھو کرنے لگتا جس سے اس کا کوٹ اور آستین بری طرح گندے ہو جاتے۔ وہ کس طرح مرا، سب کو معلوم ہے۔ وہ آخری ایام میں دماغ کے تعطل کا ورق عبرت تھا۔ کسی مسلمان کہلانے والے کی موت اس سے زیادہ عبرتناک کیا ہو سکتی ہے کہ وہ مر جائے تو اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں جگہ نہ ملے۔ اسے عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ کوئی مسلمان اسے عزت سے یاد نہیں کرتا اور نہ کسی رعایت سے اس کا عزت سے تذکرہ کیا جاتا ہے۔ تحریک ختم نبوت 1953ء کے ہزاروں شہدا کے قاتلوں میں سکندر مرزا کا نام بھی سرفہرست ہے۔ اس کے انجام سے ایک دنیا واقف ہے کہ اسے کس تذلیل کے ساتھ ملک سے نکالا گیا۔ لندن کے ایک ہوٹل میں مینجر ہو گیا۔ پھر وہاں فاحشہ عورتوں کی دلالی کرتا رہا۔ آخر بے بسی میں نذر اجل ہوا تو لحد کے لیے وطن کی زمین نصیب نہ ہوئی، دیار غیر میں مرا اور ایک دوسرے ملک میں قبر کے لیے جگہ ملی۔

آغا شورش کاشمیریؒ کا کہنا ہے: ''ختم نبوت کی تحریک (1953ء) کے دوران میں جن لوگوں نے اقتدار کے زعم میں مجاہدین ختم نبوت کا خون بہایا، ان کا انجام ورق عبرت ہو گیا۔ انھیں قدرت نے اتنی ہولناک سزا دی کہ اس کا تصور کرتے ہوئے جی کانپتا ہے۔'' وہ سزا کیا تھی اور عبرت کیا؟............ راقم بعض واقعات سے آگاہ ہے۔ مثلاً قلعہ لاہور میں علما کو تفتیش کے لیے رکھا گیا تو پولیس کا جو آفیسران علما پر مامور تھا، اس نے اتنی گندی زبان استعمال کی کہ ہم ملفوف سے ملفوف الفاظ میں بھی بیان نہیں کر سکتے۔ پھر اس کا جو عبرتناک انجام ہوا، وہ ہمارے سامنے ہے۔ قدرت یونہی عبرت سکھاتی ہے۔ ایک دوسرے سپرنٹنڈنٹ پولیس جو ان دنوں سی آئی ڈی میں اے سیکشن کے انچارج تھے انھوں نے مال روڈ پر چینیز لنچ ہوم کے سامنے دو درجن نوجوانوں کے ایک ہجوم پر ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لگانے کی پاداش میں گولیوں کی بارش کروائی۔ کئی ایک نوجوان شہید ہو گئے۔ وہ ان کی لاشوں کو ٹرک میں لاد کر نجانے کہاں لے گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سپرنٹنڈنٹ پولیس کو چند دنوں ہی میں نہایت عبرتناک سزا دی۔ وہ واحد سپرنٹنڈنٹ پولیس تھا جو خود اپنے حلقوں میں کبھی عزت پیدا نہ کر سکا۔ اس پر پولیس کے اہلکار اور آفیسر بھی لعنت بھیجتے رہے کہ وہ نوکری کے غرور میں

اندھا ہو چکا تھا۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ ایک ڈپٹی کمشنر جس نے مسلمان عوام پر تحریک کے چار دنوں میں وحشیانہ ظلم کیے، پاگل ہو گیا تھا پھر بہت دنوں پاگل خانے میں رہا...... یہ تو خیر معمولی افسروں کے واقعات ہیں اور راقم کو ذاتی طور پر معلوم ہے کہ بعض پولیس آفیسر جو کارکنان ختم نبوت کے معاملہ میں فرعون ہو گئے تھے، ان کا انجام کیا ہوا اور وہ کس طرح تڑپ تڑپ کر مرتے رہے اور ان کی اولاد پر کیا بیتی ؟''

آج بھی سرکاری ایوانوں میں بعض غالی قسم کے قادیانی نواز وزراء و حکام موجود ہیں جنھیں قادیانیوں کے مفادات عزیز ہیں اور انہیں تحفظ ختم نبوت سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم انھیں یہی کہیں گے ؎ خدا کی غصہ میں ڈوبی ہوئی نگاہ سے ڈرو!

اس کتابچے کی اشاعت کے سلسلہ میں برادر گرامی جناب محمد شاہین پرواز صاحب نے مالی تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں بے شمار کامیابیاں اور کامرانیاں عطا فرمائے۔ (آمین)

تحفظِ ختم نبوت کورس

(خط و کتابت)

حضور اقدس ﷺ کی محبت متاع دنیا و آخرت ہے۔اُن کی عزت و ناموس کا تحفظ ہر مسلمان کا فرض اولیں ہے۔آپ ﷺ ختم نبوت کی حفاظت ہمیں دنیا کی ہر چیز سے عزیز تر ہونی چاہئے۔لیکن قادیانیوں نے آپ ﷺ کی ختم نبوت پر یلغار کر رکھی ہے وہ آپ ﷺ کی سچی نبوت کو مٹا کر اپنی جھوٹی نبوت کو دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں۔اپنے اس غلیظ مشن کیلئے اُن کے شیطانی تربیت یافتہ دجالی مبلغ،اُن کے ادارے،اُن کے اخبار و رسائل،اُن کے سکول و کالج،حکومتی اداروں میں کلیدی عہدوں پر بیٹھے اُن کے خطرناک افسران اور بیرونی دنیا میں عالمی کفر (نصاریٰ،یہود،ہنود) اُن کی بھرپور سرپرستی کر رہے ہیں۔لیکن مسلمانو!امت مسلمہ ناموس رسالت ﷺ اور تحفظِ ختم نبوت کے مسئلہ پر سنگین غفلت کا مظاہرہ کر رہی ہے۔وہ نہیں جانتی کہ آقائے دوجہاں ﷺ کی ختم نبوت کا تحفظ کتنی اہمیت کا حامل ہے؟ قادیانیت کس زہر کا نام ہے؟ قادیانیوں کے ارتدادی عقائد کیا ہیں؟ قادیانی چوہے،شجر اسلام کی جڑوں کو کس طرح کاٹ رہے ہیں؟ قادیانی کس طرح پوری دنیا میں توہین رسالت ﷺ کا جال پھیلائے ہوئے ہیں؟اس خطرناک صورت حال کو دیکھتے ہوئے ہم نے افراد ملت اسلامیہ کی آگہی اور بیداری شعور کیلئے۔خط و کتابت **تحفظِ ختم نبوت کورس** کا اہتمام کیا ہے۔

تمام عاشقانِ رسول ﷺ سے اپیل ہے،کہ وہ خود،اپنے اہل و عیال،عزیز و اقارب اور دوست احباب کو اس کورس میں داخلہ کی بھرپور کوشش کریں۔تاکہ ہم بھی سرور کائنات خاتم النبیین ﷺ کی ذاتی خدمت کر سکیں اور حشر کے روز اُن کی شفاعت کے مستحق سکیں۔اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو (آمین)

نوٹ:کورس میں شمولیت کرنے والے تمام افراد کو ایک خوب صورت سند دی جائے گی۔

جو بہن اور بھائی ختم نبوت خط و کتابت کورس کرنا چاہتے ہیں وہ اپنا نام ولدیت اور مکمل پتہ اس نمبر پر بھیج دیں۔جزاک اللہ

http://www.difaekhatmenabowat.com

دفاعِ ختم نبوت

رابطہ نمبر 0333-4432090

دفاعِ ختم نبوت کے زیرِ اہتمام

ختم نبوت

خط و کتابت

کورس

خوشخبری

سکول و کالج اور مدارس کے طلباء و طالبات اور عوام الناس کے لیے

سنہری موقع

داخلہ کے خواہش مند حضرات اپنا نام اور مکمل پتہ اس نمبر پر بھیج دیں

0333-4432090

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

ور حسابم را تو بینی ناگزیر

از نگاہِ مصطفیٰ ﷺ پنہاں بگیر